تاریخ عرب

سر سید احمد خاں

پرویز بک ڈپو دلّی ۶

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

تعداد ۵۰۰

اشاعت ۱۹۷۳ء

قیمت ۹-۵۵

ناشر پرڈینہ بک ڈپو
پہاڑی بھوجلہ
دہلی ۶

(اعلیٰ پریس دہلی)

عجائبات دنیا میں سب سے زیادہ عجیب وہ خیال ہے جس کو لوگ مذہب کہتے ہیں۔ مذہب اس امتیاز کا نام ہے جو انسانوں کے افعال سے علاقہ رکھتا ہے اور جن کے سبب انسانوں کے افعال اچھے یا بُرے یا نہ اچھے نہ بُرے خیال کئے جاتے ہیں کیونکہ اگر انسان کے افعال میں یہ تیز نہ ٹھیرائی جائے تو کسی مذہب کا وجود باقی نہیں رہتا۔

تمام خیالات جو انسان میں پیدا ہوتے ہیں اور تمام یقین جو انسان کسی چیز پر رکھتا ہے اُس کا منشا اُن خیالات اور یقین کے سوا کچھ اور چیزیں ہوتی ہیں جو اُن خیالات اور یقین کے اسباب سمجھی جاتی ہیں مگر تعجب یہ ہے کہ وہ خیال جس کو مذہب کہتے ہیں بغیر کسی خارجی اسباب کے اور بغیر تجربہ اور امتحان کے اور بدون کسی معقول ثبوت کے یکایک دل سے اُٹھتا ہے اور اس لئے وہی اُس کا مخزن سمجھا جاتا ہے اور پھر اُس پر ایسا یقین ہوتا ہے کہ کسی آنکھ دیکھی چیز پر بھی نہیں۔

اس تعجب پر اور تعجب یہ ہے کہ اُس ان دیکھی چیز اور ان سمجھی بات اور بے دلیل خیال کا لوگوں کی طبیعت پر ایسا سخت اثر ہوتا ہے کہ وہ اثر انسان کے تمام افعال پر اور قدرتی جذبات پر جو انسان میں خدا نے پیدا کئے ہیں غالب ہو جاتا ہے اور جو

جوش و ولولہ اُس از خود پیدا ہوئے خیال سے انسانوں کی طبیعتوں پر ہوتا ہے کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا گو کہ اُس دوسری چیز کے صحیح اور یقینی ہونے کے لئے کیسی ہی عمدہ عمدہ دلیلیں اور کیسے ہی قطعی ثبوت موجود ہوں ۔

اگر وہ خیال تمام انسانوں میں مختلف نہوتا تو شاید یہ کہا جا سکتا کہ تمام عالم کا اُس پر یقین رکھنا ہی اُس کی سچائی کا ثبوت ہے مگر تعجب تو یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر قوم اور ہر ملک اور ہر فرقہ بلکہ ہر فرد بشر میں وہ خیال ایسا مختلف رہا ہے کہ کسی ایک پر بھی یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اس پر تعجب یہ ہے کہ ہر شخص کو یہی یقین دہانی ہے کہ میرا ہی خیال اور سب کے خیالوں سے بالکل صحیح اور بالکل سچا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح یونانی اپنے خدا اور دیوتا پر اور مسلمان و یہودی اپنے ایک خدا پر اعتقاد اور یقین کامل رکھتے ہیں، اسی طرح ہندو اور مصری اپنے تینتیس کروڑ دیوتاؤں پر اعتقاد اور یقین کامل رکھتے ہیں۔

کیا یہ مسئلہ کہ تمام چیزیں ایک ہی کل کے جزو یا اُس کی عین یا وہ بمنزلہ جان اور یہ بمنزلہ جسم کے ہیں صحیح ہے کیا یہ سب مختلف چیزیں جو ہم کو دکھائی دیتی ہیں سب ایک ہیں کیا نور و ظلمت اور کالا اور سفید دونوں یکساں ہیں جیسا کہ ایک عارف باللہ کہتا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یا یہ مسئلہ صحیح ہے کہ تمام چیزوں کا اسی سے ظہور ہے وہی ظلمت کا باعث اور وہی نور کے ظہور کا سبب ہے وہی آسمانوں پر کڑکا تا ہے اور وہی زمینوں پر برساتا ہے وہی ستاروں کو چمکاتا ہے اور وہی پھولوں کی کلیوں کو کھلاتا ہے اُسی کا جلوہ بہشتوں کی کہاوت اور اُسی کا پردہ دوزخوں کی آفت ہے غمگین دل کا غم

اور شادان دل کی شادی اُسی سے ہے وہ کسی جگہ نہیں اور سب جگہ ہے وہ کسی میں نہیں اور سب میں ہے عابد کے نورانی سینے اور فاسق کے بریاں دل اور معشوق کے عاشق کش ابرو اور عاشق کی گریاں چشم سب میں اُس کی یکساں جگہ ہے جس طرح کہ وہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اُسی طرح سے وہ باریک سے بال میں بھی ہے وہ سب کو دیکھتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے مگر اُس کا جاننا یا علم ہم سے دو در بہ کم ہے کیونکہ وہاں ماضی اور استقبال نہیں ہے بہر حال اُس بن دیکھی جناب اور ان سمجھی ذات کو جو کہو سو کہو مگر ان تمام مشکلوں پر ہم کو یہ مسلمانی مسئلہ کہ "انا عند ظن عبدی بی" اور بھی مشکل میں ڈالتا ہے۔

ربّی انت عند ظنی رحیم فارحم علی

پھر ہم کو اور زیادہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ یہ تمام مختلف خیالات جو لوگوں کے دلوں میں ہیں اور جو مذہب کہلاتے ہیں وہ ایک ہی مخرج سے یعنے دل سے نکلے ہیں اور دل کے اُس فعل کا جس سے یہ خیالات پیدا ہوتے ہیں اعتقاد نام رکھا جاتا ہے پس اگر مدار مذہب کا اعتقاد ہو تو ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط ٹھیرانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

کیا وجہ تمیز کی ہے اُس سچی دلی پرستش میں جو ابراہیم کے باپ نے ایک بُت کی کی اور اُس سچے دل کے خیال میں جس سے ابراہیم نے اپنے باپ کے اُس بُت کو توڑا؟

ایک ہی واقعہ حضرت مسیح کے قتل کا ہے جو کالوری کی پہاڑی میں بیت المقدس

کے پاس گذرا اُن بے رحم قاتلوں نے اپنی دانست میں جو کچھ کیا مذہبی نہایت سچے اور مستحکم اعتقاد اور دل کے کپ کپا دینے والے ایمانی جوش سے کیا پس اُن دو گروہوں میں سے جو نہایت سچے دل سے اُس کو نہایت ہی نیک کام سمجھتے ہیں اور جو نہایت پاک دلی سے اُس کو نہایت ہی بد کام جانتے ہیں کونسی چیز تفرقہ کرنے والی ہے۔

کیا وجہ تمیز کی ہے سینٹ پال کی اُس حالت میں جب کہ وہ دلی اعتقاد اور ایمان کے جوش سے اُن لوگوں کا ساتھی تھا جنہوں نے سینٹ اسٹیفن شہید کو سنگسار کیا اور اُس حالت میں جب کہ اُس نے اپنے سچے دلی اعتقاد سے حضرت مسیح کو مانا۔

کیا چیز ہے جس سے ہم عمرؓ کی اُس حالت میں تمیز کریں جب کہ اُس نے لات و منات پر سچا دلی اعتقاد رکھ کر امین عرب کے قتل پر کمر باندھی اور اُس حالت میں جب کہ اُس نے نہایت سچی دلی تصدیق سے کہا کہ اشھد ان محمدً ارسول اللہ۔

یہ وہی عجیب خیال ہے جو دو نو طرف برابر نسبت رکھتا ہے اور جس کو لوگ مذہب کہتے ہیں پس ایسی ذو جہتین چیز کی جو ضدین میں برابر نسبت رکھتی ہو کسی جہت پہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں البتہ ان تمام خیالوں میں سچا خیال یا تمام مذہبوں میں سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے جو ضدین میں برابر نسبت رکھنے کے نقص سے پاک ہو۔

مذہب کیا چیز ہے وہ ایک ایسا سچا اصول ہے کہ جب تک انسان اپنے توائے جسمانی اور عقلی پر قادر رہے اُس کے تمام افعال ارادی۔ جوارح نفسانی۔ و روحانی کا اُسی اصول کے مطابق ہونا چاہیئے پھر اگر وہ اصول ایسے ہیں کہ صرف کسی قسم کے اعتقاد پر مبنی ہیں تو اگر متعدد لوگوں کا متضاد اصولوں پر کسی وجہ سے اعتقاد

ہے تو ایک کو سچّا یا صحیح اور دوسرے کو جھوٹا یا غلط کہنے کی بجز تحکم کے اور کوئی وجہ نہیں سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے جس کی سچّائی نہ کسی اعتقاد پر بلکہ حقیقی سچّائی پر مبنی ہو کیونکہ مذہب اعتقاد کی فرع نہیں ہے۔ بلکہ سچائی مذہب کی اصل یعنے عین مذہب ہے اور اعتقاد اُس کی فرع ہے پس جبکہ ہم مختلف مذہبوں میں سے سچے مذہب کو پرکھنا چاہیں تو دیکھیں کہ وہ سچے اصول کے مطابق ہے یا نہیں ؛

سچا اصول کیا ہے؟ جہاں تک کہ انسان اپنے قوائے عقلی سے جان سکتا ہے وہ بجز قدرت یا قانون قدرت کے اور کچھ نہیں جس کی نسبت اسلام کے بانی نے یہ فرمایا کہ ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت ط فارجع البصر ھل تری من فطور ط ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً وھو حسیر ط

قدرت یا قانون قدرت کیا ہے وہ وہ ہے جس کے بموجب اُن تمام چیزوں مادی یا غیر مادی کا جو ہمارے ارد گرد ہیں ایک عجیب سلسلہ انتظام ہے وجود ہے اور ہمیشہ اُنکی ذات میں پایا جاتا ہے اور کبھی اُن سے جدا نہیں ہوتا قدرت نے جس طرح پر جس کا ہونا بنا دیا ہے بغیر خطا کے اُسی طرح پر ہوتا ہے۔ اور اُسی طرح پر ہوگا۔ پس وہی سچ ہے اور جو اصول اُسکے مطابق ہیں وہی سچے اصول ہیں نہ وہ جن کی بنا پر ایک فانی قابل سہو و خطا وجود یعنے انسان کے اعتقاد پر منحصر ہو ؛

قدرت ہم کو صرف اپنے وجود اور اپنے سلسلہ انتظام اور اپنے تعلقات ہی کے جو بے نہایت مخلوق میں پایا جاتا ہے سچائی نہیں دکھلاتی بلکہ اُس سے ایسے بھی اُصول پائے جاتے ہیں جس سے ہم اپنے افعال ارادی جسمانی اور روحانی کی بھلائی اور بڑائی بھی جان سکتے ہیں اور جو قدرت سچی اور کامل ہے تو ضرور ہے کہ وہ اصول

بھی سچا اور کامل ہو اور یہی سچا اور کامل اصول یا یوں کہو کہ وہ مذہب جس کے اُصول اُس کے مطابق ہیں وہی سچا مذہب ہونے کے مستحق ہے ؛

یہ مت سمجھو کہ قدرت یا قانون قدرت ہی کو سبب یا اخیر سبب اس تمام کارخانے کا سمجھتے ہیں جس کا کوئی خالق نہ ہو جیسے کہ دہریوں کا مذہب ہے نعوذ باللہ منہا بلکہ قدرت کو تو ہم ایک قانون کہتے ہیں جس کا کوئی بنانے والا ہے اور اسی لئے ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ تمام سلسلہ ایک ہی سبب اور ایک ہی اخیر سبب پر ختم ہوتا ہے جس پر تمام چیزوں کی ہستی منحصر ہے وہ جس کی ان پہچان ذات کو ہزاروں لاکھوں کروڑوں ناموں سے لوگ پکارتے ہیں"۔ او میرے پیارے خدا تم پردے میں تو ہو پر سب پر ظاہر ہو ایسے جھوٹ موٹ کے پردے سے کیا فائدہ ؛

رشک آیدم دگر نہ نقابت کشودمے دستِ ترا گرفتہ بہ عالم نمودمے

معاذ اللہ توبہ توبہ میں نے کیا کہا نہیں کافر تو نہیں ہو گیا" الٰہی انت عبدی وانا ربک استغفر اللہ استغفر اللہ انت ربی وانا عبدک" پس آدمی کو چاہیئے کہ اس کارخانۂ قدرت سے اس کے بنانے والے کو اور اُس کی راہ کو یا اُس کی راہ بتانے والے کو تلاش کرے کہ یہی سیدھی طرک سیدھا راستہ چلنے کا ہے۔

مذہب کی تمثیل میں علماء اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے کیسی کیسی غلطیاں کی ہیں اور کیا کیا ٹھوکریں کھائی ہیں۔ بعضوں نے مالک غلام کی تمثیل دی ہے اور فرمایا ہے کہ مذہب اور شریعت کو مصالح قدرت، اور اعمال کو اُس کے بدلے یعنے جزا اور سزا سے کچھ مناسبت نہیں اور اس کے اوامر و نواہی میں بجز اس کے کہ مالک کا حکم بجا لاتا ہے۔ اور کچھ فائدہ نہیں شاید ان لوگوں کا خدا ایسا ہو جو بخوکام

کرنے کو کہے میرا تو خدا ایسا نہیں وہ تو نہایت دانا اور سب سے بڑا حکیم مطلق ہے اسکی تو کوئی بات بھی حکمت اور منفعت سے خالی نہیں:

اس رائے کو تو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی غلط ٹھیرایا ہے۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ فمن یظن ان احکام الشریعۃ غیر متضمنۃ لشئی من الصالح وانہ لیس بین الاعمال وبین ما جعل اللہ جزاء لھا مناسبۃ وان مثل التکلیف بالشرائع کمثل سید اراد ان یختبر طاعۃ عبدہ فامرہ برفع حجر ولمس شجر مما لا فائدۃ فیہ غیر الاختبار فلما اطاع اوعصی جوزی بحسبہ وھذا ظن فاسد تکذبہ السنۃ واجماع القرون المشھود لھا بالخیر۔

بعض عالموں نے مالک اور بیمار غلام سے مذہب کی تمثیل دی ہے جسپر مالک نے اُس کے علاج کے لئے اپنا مصاحب مقرر کیا ہو اور اس مصاحب کے حکم کو ماننا باعث نجات اور نہ ماننا باعث درکات ٹھیرایا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب بھی حجۃ اللہ البالغہ میں اسی رائے کو صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "وظھر مما ذکرنا ان الحق فی التکلیف بالشرائع ان مثلہ کمثل سید مرض عبیدہ فسلط علیھم رجلا من خاصتہ لیستقیم دواء فان اطاعوہ اطاعوا السید ورضی عنھم سیدھم واثابھم خیرا ونجوا من المرض وان عصوہ عصوا السید واحاط بھم غضبہ وجازھم اسوء الجزاء وھلکوا من المرض۔

مگر میں اس کو نہیں مانتا اور پوچھتا ہوں کہ دوا کرنا باعث نجات کا تھا یا

مصاحب کے حکم کا ماننا تھا اگر بے حکم مصاحب کے بھی وہ دوا کرتا تو نجات پاتا یا نہیں ضرور پاتا اس لئے کہ اُس دوا سے نجات پانا قدرت کا قانون تھا جو کسی طرح بدل نہیں سکتا۔

بعضے عالموں نے مذہب کی تمثیل ایسے طبیب سے دی ہے جو نہ تو خود کسی چیز کو امرت بتاتا ہو اور نہ کسی کو ہلاہل ٹھہراتا ہو بلکہ ہر چیز میں قدرت نے جو اثر رکھا ہے اُسی کو بتاتا ہو۔ تاکہ جو لوگ صحیح ہیں اپنے حفظ صحت کے اصول جانیں اور جو بیمار ہیں وہ حصول صحت کی دوا کو پہچانیں اور مذہب بہ نسبت اس کے کہ صرف بیمار غلاموں ہی کے لئے ہو سب کے لئے عام ہو جائے۔

افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں اس رائے کو نہیں مانتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ" وانہ لیس الامر علی ما ظن من احسن الاعمال وقبحہا بمعنی استحقاق العامل الثواب والعقاب عقلیان من کل وجہہ وان الشرع وظیفۃ الاخبار عن خواص الاعمال علی ما ھی علیہ دون انشاء الایجاب والتحریم بمنزلۃ طبیب یصف خواص الادویہ وانواع المرض فانہ ظن فاسد تمجہ السنۃ بادی الرائے"۔

مگر میں اسی کو مانتا ہوں اور اسی کو سچا اصول سمجھتا ہوں جو قانون قدرت کے بالکل مطابق ہے۔ اور کتاب وسنت دونوں کو اسی کا مؤید پاتا ہوں جو علم مذہب اسلام کی بنیاد ہیں پس جہاں تک کہ سچے مذہب کی میں تحقیق کر سکا۔ میں نے اسلام ہی کو سچا مذہب پایا اور اُمید ہے کہ جو لوگ سچائی کو دوست رکھتے ہیں وہ ہمیشہ صفائی اور سچائی سے اسلام کی سچائی کی تحقیقات کریں گے۔

مگر ایک مشکل یہ پیش ہے کہ جب اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو لوگ اُس مجموعۂ احکام کو جو اب احکام مذہبی سمجھے جاتے ہیں مذہب اسلام خیال کرتے ہیں ہاں مجازاً تو اُن پر مذہب اسلام کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ مگر حقیقتاً وہ مجموع من حیث المجموع یعنے حقیقی مذہب اسلام کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ موجودہ مسائل مذہب اسلام میں دو قسم کے اصول و احکام شامل ہیں۔ ایک وہ جن کو خود شارع نے صاف صاف بیان کیا ہے۔ جو احکام منصوصہ کہلاتے ہیں اور ایک وہ جن کو عالموں اور مجتہدوں نے اپنے ذہن کی خوبی اور اپنے علم کی روشنی سے باستدلال دلالت النص یا اشارۃ النص یا قیاس کے قائم کیا ہے جو اجتہادیات کہلاتے ہیں اور جو بجز ایک قابل سہو و خطا وجود کی رائے کے اور کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے پس ان دونوں قسم کے مسائل میں تمیز نہ کرنے سے آدمی طرح طرح کی سخت غلطیوں میں پڑ جاتے ہیں اور یہ وہی ترک امتیاز ہے کہ جب مسلمان اُس کو اختیار کرتے ہیں تو اُس کا نام تقلید رکھتے ہیں اور جب غیر مذہب کے لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں تو اُس کو ایک حقیر نام تعصب یا جہل مرکب یا ضلالت سے موسوم کرتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار:

پہلی قسم کے احکام بھی جن کا نام احکام منصوصہ ہے۔ دو قسم کے احکام ہیں ایک وہ جو اصلی احکام ہیں اور بلاشبہ وہ بالکل قانون قدرت کے مطابق بلکہ اُس کی جان ہیں۔ اور دوسرے وہ جو ان اصلی احکام کی حفاظت اور اُن کے بقاء اور قیام کے لئے ہیں۔ پس جو کوئی مذہب اسلام کی سچائی اُن پیچ قدرتی اصولوں سے پرکھنی چاہیئے تو اُس کو اُن دونوں قسم کے احکام

اور اُن میں سے ہر ایک کے درجے اور بننے کی تمیز لازم ہے ؛

علاوہ مذکورہ بالا دو قسموں کے ایک تیسری قسم بھی احکام مذہب اسلام میں ہے جو ذو معنیین عبارتوں یا ناکامل سند یا مشتبہ سندوں سے قائم ہوئے ہیں ان میں سے پہلی قسم تو اجتہادیات میں داخل ہے اور دوسری قسم مذہب اسلام میں کچھ وقعت اور اعتبار نہیں رکھتی۔ گو اس پر اس وجہ سے کہ اُس میں کچھ نقصان نہیں ہے عمل ہوتا ہو ؛

پس یہ سچا مذہب اور وہ شخص جس کی معرفت ہم کو اُس کی تعلیم ہوئی ہمارے بے انتہا ادب اور تا محدود ثناء و صفت کا مستحق ہے اور بلاشبہ اسی خطاب کے لائق ہے کہ "انت احب الی یا رسول اللہ من نفسی التی بین جنبی" چنانچہ ہم کو بہت بڑی خوشی اور مبارکی اسی بات کی ہے کہ ہم نے اُس کو نہ خدا سمجھا اور نہ خدا کا بیٹا۔ نہ کوئی فرشتہ بلکہ ایک وحی بھیجا ہوا انسان جانا مگر اپنی جانوں سے زیادہ عزیز جانا۔ بابی انت و امی یا رسول اللہ

دل و جانم فدایت یا محمد　　سرِ من خاک پایت یا محمد

یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ؛

آنحضرت کی زندگی کے حالات جن کو مسلمان سیرۃ اور انگریز لائف کہتے ہیں صرف دیندار مسلمان عالموں نے ہی نہیں بلکہ غیر مذہب کے علماء اور مؤرخین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ دونوں افراط و تفریط میں پڑ گئے۔ پہلوں کی آنکھوں میں تو کمال روشنی کے سبب چکا چوند آگئی اور پچھلوں کی آنکھیں بجلی کی چمک سے بند ہو گئیں۔

پہلے تو شراب محبت کی سرشاری میں بات سے بھٹک گئے اور پچھلے اُس رستے کی ناواقفی سے منزل تک نہ پہنچے۔ پہلے تو یہ بھولے وہ کس کا بیان کرتے ہیں اور پچھلوں نے اُسی کو نہ جانا جس کا وہ ذکر کرتے ہیں:

کسی مشہور محدث نے بجز ایک کے جس کا ہم ابھی ذکر کریں گے کوئی خاص کتاب آنحضرت کی زندگی کے حالات میں نہیں لکھی لیکن تمام محدثین نے جن کی سعی اور کوشش کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے اپنی اپنی کتابوں میں اُن حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے جو آنحضرت کی زندگی کے حالات سے متعلق ہیں پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں۔ جن سے کم و بیش آنحضرت کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہو سکتے ہیں اور جن کو معقول طرح پر ترتیب دینے سے اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذکرہ آپ کی زندگی کا جمع ہو سکتا ہے۔

ابو عیسےٰ ترمذی نے جو ۲۰۹ھ ہجری مطابق ۸۲۴ء میں پیدا ہوا۔ اور ۲۷۹ھ ہجری مطابق ۸۹۲ء میں انتقال کیا اپنی مشہور کتاب جامع ترمذی کے سوا ایک اور کتاب بھی آنحضرت کے حالات میں لکھی ہے۔ جو "شمائل ترمذی" کے نام سے مشہور ہے مگر اس میں آپ کی زندگی کے تمام حالات مندرج نہیں ہیں بلکہ وہ خاص خاص باتیں اور عادتیں جو بالتخصیص نفس نفیس آنحضرت سے متعلق تھیں مذکور ہیں بایں ہمہ جس قدر حدیثیں آنحضرت کے حالات سے متعلق اُن مشہور حدیث کی کتابوں میں مندرج ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ جن کو ہم مثل کتاب اللہ کے بے غور اور بلا تحقیقات، اندھا دھند سے مان لیں بلکہ ہم پر واجب ہے کہ اُن تمام حدیثوں کو خواہ بخاری کی ہوں یا مسلم کی اور جامع ترمذی کی ہوں یا شمائل ترمذی

کی قبل اُن کے سچا قبول کرنے کے اُن کی سچائی اور صحت کی تحقیقات اُن اصول و قواعد کے ساتھ کر لیں جو اس کے لئے مقرر ہیں اور جن کو ہم نے ایک جُداگانہ خطبے میں بیان کیا ہے۔ اور اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو سخت غلطیوں میں پڑیں گے کیونکہ بے سند حدیث مسلمانوں کے مذہب میں کوئی وقعت اور اعتبار نہیں رکھتی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی کتاب تحفہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں "حدیث بے سند گوز شرست" مگر افسوس ہے کہ بہت ہی کم مصنف ہیں جنہوں نے اُس ضروری اور نہایت ضروری اُصول کی پیروی کی ہو۔

ان حدیث کی کتابوں کے سوا جن کا ابھی ذکر ہوا اور بہت سی کتابیں ہیں جو خاص آنحضرت کے حالات کے لئے لکھی گئی ہیں اور بعض ایسی ہیں جنمیں اُس کے سوا اور بھی حالات ہیں اور یہ تمام کتابیں عموماً کتب سیر کے نام سے موسوم ہیں۔ اور جنمیں سے کتب مفصلہ ذیل زیادہ مشہور ہیں۔

ابن اسحاق۔ ابن ہشام طبقات کبیر المشہور۔ بواقدی۔ طبری۔ سیرت شامی ابوالفدا۔ مسعودی۔ مواہب لدنیہ۔ ان کے سوا عربی اور فارسی زبان میں اور بھی کتابیں ہیں جو انہی سے بنائی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں سے پہلی چار کتابیں بہت قدیم ہیں اور باقی بہت پچھلی۔

یہ سب کتابیں تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح و موضوع حدیثوں کا مختلط مجموعہ ہے جس میں صحیح اور غلط۔ شتبہ اور درست اور جھوٹی اور سچی کسی کا کچھ امتیاز نہیں اور جو کتابیں زیادہ قدیم ہیں اُن میں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ ہے۔ قدیم مصنفوں اور اگلے زمانے کے مورخوں کو تصنیفات سے

زیادہ غرض یہ تھی کہ ہر ایک قسم کی روایتوں اور افواہوں کو جو ان کے زمانے میں پھیل رہی تھیں ایک جگہ جمع کر لیں اور اس بات کی تحقیقات اور تصحیح کہ کون سی ان میں کی بالکل صحیح ہے اور کونسی غلط۔ اور کس میں زیادتی یا کمی ہوئی ہے اور کس میں مضمون کے سمجھنے اور واقعہ کے بیان میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ آنحضرت وقت یا آئندہ نسلوں پر منحصر رکھیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ پچھلی نسلوں نے بعوض اس کے کہ تحقیقات مطلوبہ کرنے سے اپنے بزرگوں کے مقاصد کی تکمیل کرتے اُنہی کتابوں کو اپنی تصنیفات جدید کا ناخدا ٹھہرایا اور اس لئے ان پچھلے مصنفوں کی تصنیفوں میں بھی وہی نقص پیدا ہوا جو اُن قدیموں مصنفوں کی تصنیفوں میں تھا۔ غرض کہ اب فن سیر کی تمام کتابیں کیا قدیم کیا جدید مثل ایسے غلّے کے انبار کے ہیں جس میں سے کنکر۔ پتھر۔ کوڑا۔ کرکٹ کچھ چنا نہیں گیا اور اُن میں تمام صحیح و موضوع جھوٹی اور سچی سند اور بے سند ضعیف و قوی۔ مشکوک و مشتبہ روایتیں مخلوط اور گڈمڈ ہیں۔

سر ولیم میور صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ "آنحضرتؐ کے حالات زندگی کی تین کتابیں ہشامی۔ واقدی۔ طبری ایسی ہیں کہ جو شخص دانشمندی سے آنحضرت کے حالات لکھے گا۔ تو اپنی تحریر کے لئے اُنہی کتابوں کو سند گردانیگا" مگر صاحب ممدوح نے اس بات کو بیان نہیں فرمایا کہ اُن کتابوں میں کسقدر ایسی روایتیں ہیں جن سے آنحضرت کو کچھ بھی علاقہ نہیں۔ اور کسقدر ایسی ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے اور کسقدر ایسی ہیں جنکے راویوں کی خصلت نہ کسی مذہبی مسئلہ کے سبب بلکہ اخلاقی نقصانوں کے سبب مشتبہ اور اُن کی راست

بیانی مشکوک یا مطعون ہے اور کسقدر ایسی ہیں جن کے بیان کرنیوالے بالکل لامعلوم شخص ہیں۔ اور کس قدر ایسی ہیں جن کی تحقیق یا تصدیق نہیں ہے:

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے نہایت گرم جوشی سے واقدی کی قدر و منزلت کو اُس کی اصلی حقیقت سے بہت بڑھا دیا ہے۔ جس کی نسبت سر ولیم میور صاحب یہ اُرقام فرماتے ہیں کہ "ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کتاب کی تعریف اُسکی حد سے زیادہ کی ہے" مگر افسوس ہے کہ باوجود اس کے صاحب ممدوح نے بھی واقدی کی کم قدر نہیں کی اور اوروں پر ترجیح دینے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ اس لئے کہ اُنہوں نے بھی آنحضرت کی زندگی کے تمام حالات کو اُسی کتاب سے لکھا ہے اور اُسی کی سند پر مذہب اسلام کے برخلاف تمام راؤں کو قائم کیا ہے:

واقدی کچھ بڑا معتبر شخص نہیں ہے وہ تو جاطب اللیل یعنے اندھیری رات میں لکڑیاں چننے والا ہے۔ اُس کی غلط روایتوں اور جھوٹے قصہ کہانیوں اور بے سند باتوں سے تمام علماء نے اُس کو نامعتبر ٹھیرایا ہے۔ محمد بن عبدالباقی الزرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں میزان سے واقدی کی نسبت یہ جملہ نقل کیا ہے۔ الواقدی محمد بن عمر بن الواقدی الاسلمی المدنی الذی استقوا الاجماع علے وھنہ (کذا فی المیزان)"

کسی کے کہنے اور سننے پر کیا موقوف ہے خود اس کی کتابیں موجود ہیں جو کچھ بھی قدر و قیمت کے لائق نہیں بجز اس کے کہ افواہاً اُس نے سنا اور جو آواز چڑیا کی خواہ کوّے کی اُس کے کان میں آئی وہ اُس نے لکھدی کوئی طریقہ تحقیق کا اور کوئی سنہ نتیجہ کا اُس نے اختیار نہیں کیا پس کیا وہ کتابیں

ایسی ہیں جو مذہب الاسلام کی بنیاد سمجھی جا سکتی ہیں اور کیا کوئی مخالف مذہب اسلام کا ان کتابوں کی سند پر مذہب اسلام یا اُس کے واعظ میں عیب نکال کر اور اپنے آپ کو فتح مند سمجھ کر خوش ہو سکے گا۔ ان ھذا الشئی عجاب ؛

البتہ ابو الفدا کی کتاب کسی قدر اچھی ہے اور جہاں تک ہو سکے اعتبار کے لائق ہے اُس نے اپنی کتاب احتیاط سے لکھی ہے اگرچہ تحقیق و تنقیح کے رستے کو اُس نے اختیار نہیں کیا الا اس بات پر کوشش کی ہے کہ کوئی موضوع یا مشتبہ یا الغو روایت اُس میں نہ داخل ہونے پاوے مگر با ایں ہمہ یہ کہنا کہ اُس کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور اُس میں کوئی روایت موضوع یا مشتبہ نہیں ہے حد اعتدال سے آگے بڑھ جاتا ہے ؛

مسلمان مورخوں کے سوا جن کا اوپر ذکر ہوا عیسائی مورخوں نے بھی مذہب اسلام اور اُس کے واعظ کی نسبت بہت سی کتابیں لکھیں مگر افسوس کہ ابتدا سے زمانے کی تصنیف شدہ کتابیں مثل کتب مصنفہ وینیل۔ لوکھر۔ ملاگک تھن۔ سیپال ہیم۔ دی ہربی لاٹ۔ مجھ کو دستیاب نہیں ہوئیں مگر جو کچھ اور کتابوں سے اُن کا حال معلوم ہوا وہ اسی قدر ہے کہ اُن کتابوں میں بجز سخت کلامی اور بدزبانی کے اور کچھ نہیں ہے ؛

ان مصنفوں کے سوا آر کشی صاحب کا ذکر نہایت حیرت انگیز ہے وہ ایک ایسا سخت متعصب مصنف ہے کہ اُس کا دل اپنے بغض و کینے کے اظہار اور نفرت انگیز چھوٹے طعن و تشنیع اور بدزبانی سے کبھی نہیں بھرا۔ مگر مجھ کو یہ حیرت ہوئی وہ اس بات سے ہوئی کہ کوارٹرلے ریویو" کے ایک آرٹیکل کے مصنف

تے اُس کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "مراکشی پر جو یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ باطن میں اسلام کا معتقد ہو گیا تھا۔ وہ الزام کچھ بے وجہ نہ تھا" کیا مراکشی باوصف اسقدر تعصب کے مثل "برہر خورد" صاحب کے آخر کو مسلمان ہو گیا تھا۔ اگر ایسا ہوا تو میں ذمہ دار ہوں کہ اُس سے پہلے جو کچھ اُس نے اسلام اور داعی اسلام کی نسبت کہا سنا سب نیا و ممنیا ہو گیا کان الاسلام یھدم ما کان قبلہ من محصنۃ اللہ۔

ڈین پریڈی صاحب بھی اُنہی مورخوں میں سے ہیں جو اپنے مذہب اسلام نہایت شاق گذرتا تھا جب کوئی مسلمان اتفاقاً اُن صاحب کی کتاب پڑھتا ہے تو مذہب اسلام سے اُن کی ناواقفیت پر جو اُن کی کتاب کے ہر ورق سے ٹپکتی ہے بغیر ہنسے رہ نہیں سکتا ہے

ان مورخوں کے سوا ہا تجر گیگیزری لنڈا وکلی صاحب نے بھی مذہب اسلام اور آنحضرت کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں مگر افسوس ہے کہ میں اُن کی محنتوں سے مستفید نہ ہو سکا۔

گوتھ صاحب اور اماری صاحب اور نیز لڈانگ صاحب اور دواری صاحب نے جو کتابیں اس مضمون پر لکھی ہیں۔ اُن کی نسبت مذہب اسلام کے آرٹیکل کا مصنف جو "کوارٹرلی ریویو" میں چھپا ہے یہ لکھتا ہے کہ "اُن مورخوں نے بہت سی دُنیا کو یہ بات سکھلا دی کہ مذہب اسلام ایک خشگفتہ اور تر و تازہ چیز ہے اور نہ اردو ثمرور جواہروں سے بھرپور ہے اور محمد (ص) نے گو اُن کی خصلت کو کیسا ہی سمجھا جاوے انسانیت کی سنہری کتاب میں اپنے لئے جگہ حاصل کی ہے۔

نہایت مشہور عیسائی مورخوں میں جنہوں نے آنحضرت کے حالات لکھے ہیں ڈاکٹر اسپرنگر صاحب ہیں اُن کی کتاب انگریزی زبان میں بمقام الہ آباد ۱۸۵۱ء میں چھپی ہے مگر وہ کتاب بسبب غلطیوں کے جو اُس کے مضمون کی صحت میں ہیں۔ کچھ اعتبار کے لائق نہیں ہے علاوہ اس کے ایک اور خرابی اُنہوں نے اس کتاب میں یہ کی ہے کہ اُس کا طرز بیان نہایت مبالغہ آمیز اختیار کیا ہے ان کی طبیعت پہلے ہی سے ایسے تعصبات اور ایک طرفہ رائے سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ جو کسی قسم کے مُصنف کو اور بالتخصیص ایک مورخ کو کسی طرح زیبا نہیں ہے۔ اپنے اس کلام کی تصدیق کے لئے اُن کی کتاب میں سے ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جس سے اُن کے تعصب کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس فن میں اُنہوں نے کتاب لکھی ہے۔ اُس سے بھی ماشاءاللہ وہ بہت ہی خوب واقف تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ" اسلام محمد (ص) کا ایجاد نہیں ہے وہ ایسے مکار کا نکالا ہوا مذہب نہیں ہو سکتا۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اُس مکار نے اپنی بد اخلاقی اور طبیعت کی بُرائی سے اُس کو بگاڑا اور جو بہت سے مسائل اُس میں قابل اعتراض ہیں وہ اُسی کے ایجاد ہیں" نعوذ باللہ من ھذہ الاقاویل۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا ؛

اسی کتاب کی نسبت سر ولیم میور صاحب یہ لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی کتاب ایسے وقت میں میرے پاس پہنچی جب کہ میں اسی مضمون کی تحصیل اور تلاش کر رہا تھا اور جیسا کہ میں نے اپنی کتاب کے بعض مقامات میں ثابت کیا ہے اُسکے مضامین کی بنیاد غلطی پر معلوم ہوتی ہے چنانچہ اُنہوں نے محمد (ص)

کے قبل زنانا کے عرب کا اور خاص محمد کا اور اُن کی خصلت کا جو حال لکھا ہے وہ سب غلط رایوں پر مبنی ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے ایک اور کتاب جرمنی زبان میں آنحضرت کے حالات میں لکھی ہے جو چھ جلدوں میں ہے مگر افسوس ہے کہ جرمنی زبان نہ جاننے کے سبب اُس کتاب سے جسقدر قدرے قلیل فائدہ حاصل کر سکتا اُس سے بھی محروم رہا۔ صرف اِس قدر ہوا کہ میرے ایک جرمن دوست نے مجھ کو اطلاع دی کہ اُس کے مصنف نے ابن اسحٰق اور واقدی سے زیادہ تر مطالب اخذ کئے ہیں، اور جو کہ میں اُن مصنفوں کی کتابوں سے واقف ہوں جن سے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں مطالب اخذ کئے اس لئے مجھے یقین ہے کہ وہ کتاب بھی مثل اُن کتابوں کے جن کو عیسائی مؤرخوں نے تصنیف کیا ہے اس تحقیق اور تلاش سے معرا ہو گی جو صفائی دل سے کی جاتی ہے اس لئے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب اُنہی کتابوں سے لکھی ہے جن میں صحیح اور غلط اور مشتبہ اور لغو روایتیں سب گڈمڈ ہیں۔

مگر لوسی آرٹر لے ریویو کے آرٹیکل کا مصنف جو غالباً جرمن ہے اس کتاب کی نسبت یہ رائے لکھتا ہے کہ "جن لوگوں نے اسلام کی نسبت لکھا ہے اُن میں سے ڈاکٹر اسپرنگر کی کتاب کو جو مصنفوں میں اول درجہ رکھتا ہے ہم نے اس لئے سب سے افضل قرار دیا ہے کہ وہ بہ نسبت اور سب کے نہایت جامع ہے اور بڑی قابلیت سے لکھی گئی ہے اس لئے کہ اُس کتاب میں وہ تمام مطالب ناظرین کے سامنے موجود کر دئے گئے ہیں جنسے پڑھنے والا اپنی رائے آپ قائم کر سکے"۔

لوسی آرٹر ایک سہ ماہی رسالہ جدید ہے کہ اس کا نام سے ظاہر ہے جو لندن میں چھپتا ہے۔ اسمیں نہایت اعلیٰ درجے کے عالم مضمون لکھتے ہیں ۱۲ منہ

عیسائی مصنفوں کی کتابوں میں سب سے زیادہ عمدہ وہ کتاب ہے جو سر ولیم میور صاحب نے نہایت لیاقت اور قابلیت اور کمال خوبی کے ساتھ لکھی ہے یہ کتاب چار موٹی موٹی جلدوں میں ہے اور بہت خوب صورت ٹیپ اور خوش وضع تقطیع میں چھپی ہے اس لائق اور فائق مصنف کو مثل مغربی علوم کے مشرقی علموں میں بھی بڑی واقفیت حاصل کی ہے اور اس لئے ان کی یہ کتاب تمام تر بیت یافتہ یورپ کے ملکوں میں بڑی قدر و منزلت کی ہے جو اسی قدر و منزلت کے لائق ہے اور یورپ کے عالموں اور عالموں کی مجلسوں نے بھی اس کتاب کے سبب اُن کی ایسی قدر کی ہے جس کے درحقیقت وہ مستحق تھے مگر قطع نظر اس نقص کے جو اس کتاب میں ہے کہ اُس کی بنیاد گویا بالکل واقدی پر ہے جو مسلمانوں میں درجہ اعتبار نہیں رکھتا اور اُس کی روایتیں زیادہ معتبر اور ایسی محقق نہیں ہیں کہ مسلمان ان پر یقین لادیں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں ایک اور بڑا نقص یہ ہے کہ جس منشاء اور مطلب سے سر ولیم میور صاحب نے یہ کتاب لکھی وہ اسلئے پسندیدہ نہیں ہے کہ وہ منشاء اس کتاب میں نقصان رہ جانے کا اور واقعات کا اصلی تحقیقات تک نہ پہنچنے کا بہت بڑا سبب ہوا ہے چنانچہ سر ولیم میور صاحب خود ارقام فرماتے ہیں کہ "اس کتاب کا لکھنا اور مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کی تحصیل اوّل اس غرض سے اختیار کی گئی کہ پادری سی پی فنڈر صاحب نے جو اس بات میں مشہور رہیں کہ اُنہوں نے مسلمانوں سے مباحثے میں عیسائی مذہب کی بہت حمایت کی اس بات پر اصرار کیا کہ اسلام کے

پیغمبر کے حالات میں ایک کتاب جو اس کے پیروؤں کے پڑھنے کے لئے مناسب ہو ایسے قدیم ماخذوں سے ہندوستانی زبان میں تالیف کی جاوے جس کو خود مسلمان صحیح اور معتبر مانتے ہیں۔ چنانچہ اسی منشاء سے مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کو پڑھا اور اس کتاب کو لکھا"۔

لیکن میں نہایت افسوس سے یہ بات کہتا ہوں کہ باوجودے کہ سر ولیم میور صاحب نہایت نیک طبیعت ہیں اور بڑی قابل توصیف لیاقتیں رکھتے ہیں۔ اس پر بھی اُن کی طبیعت پر اُس غرض اور منشاء کا جس سے وہ کتاب لکھنی شروع کی ایسا اثر پیدا ہوا جیسا کہ ایسی حالت میں اَوروں کی طبیعت پر پیدا ہونا قیاس کا مقتضا ہے اور اسی سبب سے اسلام کی دلچسپ اور سیدھی سادی عمدہ باتیں بھی اُن کو بُری اور بھونڈی اور نفرت انگیز معلوم ہوئیں اور یہ اثر ان کی طبیعت کا ایسا تھا کہ اُس کے سبب سے اُن کی کتاب پڑھنے والے اپنے ذہن میں اُن کی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے لیکن جیسا اکثر ہوتا ہے ویسا ہی اس میں بھی ہوا کہ اُس حد اعتدال سے متجاوز تحریر نے خود اپنے مقصود کو کھو دیا اور وہ مطلب حاصل نہ ہوا۔ جس کے لئے پادری فنڈر صاحب نے سر ولیم میور صاحب سے اس کتاب کے لکھنے کا کہا تھا بلکہ برعکس اس کے یہ نتیجہ ہوا کہ جس شخص کو پادری پی فنڈر صاحب نے تاریکی کا فرشتہ بنانا چاہا تھا وہ روشنی کا فرشتہ نکل آیا۔

جب یہ کتاب چھپی اور ہندوستان میں پہنچی تو لوگوں نے اس کو نہایت شوق و ذوق سے پڑھا۔ مگر جب ان کو یہ بات دریافت ہوئی کہ اسلام کی اور

آنحضرت کے حالات کی نہایت سیدھی سادی اور صاف باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر
اس وضع پر ڈھالا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہلے ہی سے اس کتاب کا اسطرح
پر لکھنا مقصود اور مرکوز خاطر تھا تو اُن کا وہ شوق بالکل ٹھنڈا ہو گیا۔ مگر جو نوجوان
مسلمان طالب علم انگریزی علم کی تحصیل کرتے تھے اور اپنے دینیات اور الہیات
سے محض ناواقف تھے اُن میں اس بات کا چرچا پیدا ہوا کہ اگر سر ولیم میور صاحب
نے سیدھی سادی اور صاف باتوں کو بھی بُرے پہلو پر لے جاکر لکھا ہے تو واقع
اُن کی اصلیت کیا ہے۔

میرے دل پر جو اس کتاب سے اثر پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ اُسی زمانے میں
میں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت کے متعلق حالات میں ایک کتاب اس طرح پر لکھی
جاوے کہ جو جو باتیں صحیح اور اصلی اور واقعی اور منقح ہیں اور معتبر روایتوں اور
صحیح صحیح سندوں سے بخوبی ثابت ہیں اُن کو بخوبی چھان بین کر اور امتحان کر کر
ترتیب سے لکھا جاوے اور جو حالات مشتبہ اور مشکوک ہیں اور اُن کا ثبوت
معتبر یا کافی نہیں ہے اُن کو جدا گانہ اسی ترتیب سے جمع کیا جاوے اور جو محض
جھوٹ اور افترا بہتان یا خود غرض یا احمق واعظوں اور حمقا کو دام تزویر
میں پھنسانے والے لوگوں یا احمق خیر خواہ اور چھوٹی نیکی پھیلانے والوں کی
بنائی ہوئی باتیں ہیں اُن کو علیحدہ بہ ترتیب لکھا جاوے اور اُنہی کے ساتھ
اُن کے غلط اور اُن کے نامعتبر ہونے کا ثبوت اور اُن کے موضوع ہونے
کی وجہات بھی بیان کی جاویں۔ مگر میں اپنے اس ارادے کو بہت سے
موانعات کے سبب سے جن میں سب سے بڑا اپنی فکر معاش میں مبتلا رہنا

اور اس سے بھی بڑا کسی کا میرے ارادے کے مدد و معاون نہ ہونا تھا پورا نہ کر سکا اور علاوہ اس کے اس کام کے لئے بہت سی پرانی کتابیں جن کو قدیم مصنفوں نے تصنیف کیا ہے درکار تھیں جو مجھ کو بہ سبب برباد ہو جانے قدیم کتب خانوں کے دستیاب نہ ہو سکیں اور یہ بھی ایک قوی سبب اس ارادے کے پورا نہ ہونے کا ہوا مگر اس پر بھی مختلف اوقات میں مختصر طور سے مختلف مضامین اور مسائل مذہب اسلام اور آنحضرت کے حالات پر کچھ کچھ لکھتا رہا چنانچہ انہیں تحریروں میں یہ بارہ مضمون ہیں جو بہ عنوان بارہ خطبوں کے لکھے گئے ہیں اور جن کو اس ایک جلد میں جمع کر دیا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ باقی مضامین اور جلدوں میں جمع کئے جاویں گے۔

اگرچہ میں نے اس دیباچہ میں چند عیسائی ایسے مورخوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے آنحضرت کے حالات اور اصول مذہب اسلام کا انصاف سے فیصلہ نہیں کیا۔ مگر اُن لائق اور قابل اور عالم واجب التعظیم عیسائی مورخوں کا ذکر کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا جنہوں نے نہایت انصاف سے اور بالکل بغیر تعصب کے آنحضرت کے حالات اور مذہب اسلام کی نسبت ٹھیک ٹھیک اپنی رائے لکھی ہے بلکہ متعصب اور تنگ حوصلہ مخالفوں کے مقابلے میں مذہب اسلام کی حمایت کی ہے اگرچہ بعض مقامات میں اُنہوں نے بھی کچھ کچھ سقم اور نقصان بیان کئے ہیں۔ لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن کا بیان کسی تعصب پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ کی حقیقت وہ نہیں سمجھے یا غلط سمجھ گئے۔ پس یہ ایک غلطی سمجھ کی تو ہے الا وہ عیب جو تعصب اور تنگ حوصلہ ہونے کے سبب سے ہوتا ہے

وہ نہیں ہے۔ بہرحال یہ قابل ادب شخص ایڈورڈ گبن قدیم روم کی سلطنت کا مشہور مؤرخ اور گاڈفری ہیگنز رحمہا اللہ تعالیٰ اور ٹامس کارلیل اور جان ڈیون پورٹ سلمہا اللہ تعالیٰ ہیں جن کے علم اور لیاقتوں کی تعظیم و قدر ہمیشہ ہوتی رہے گی۔ اب میں اُن صاحبوں میں سے تین صاحبوں کی رائے جو اُنھوں نے آنحضرت اور مذہب اسلام کی نسبت لکھی ہے اپنے اس دیباچہ میں لکھتا ہوں اور گاڈفری ہیگنز کی رائے خطبات میں متعدد جگہ لکھی گئی ہے۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں "کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جس شخص نے اُس نے نہایت ناپسند اور حقیر بت پرستی کے بدلے جس میں اُس ہموطن (یعنے اہل عرب) مدت سے ڈوبے ہوئے تھے خدا پر حق کی پرستش قائم کرنے سے بڑی بڑی دائم الاثر اصلاحیں کیں مثلاً اولاد کشی کو موقوف کیا نشے کی چیزوں کے استعمال کو اور قمار بازی کو جس سے اخلاق کو بہت نقصان پہنچتا ہے منع کیا۔ نہایت سے کثرت ازدواج کا اُس وقت میں رواج تھا اُس کو بہت کچھ گھٹا کر محدود کیا غرضکہ ایسے بڑے اور سرگرم مصلح کو ہم فریبی ٹھیرا سکتے ہیں۔ اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کارروائی مکر پر مبنی تھی نہیں ایسا نہیں کہہ سکتے۔ بیشک محمد (ص) بجز دلی نیک نیتی اور ایمانداری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھ اپنی کارروائی پر ابتدائے نزول وحی سے جو خدیجہ سے بیان کی۔ آخر دم تک جب کہ عائشہ کی گود میں شدت مرض میں وفات پائی مستعد نہیں رہ سکتے تھے۔ جو لوگ ہر وقت اُن کے پاس رہتے تھے اور جو اُن سے بہت ربط ضبط رکھتے تھے اُن کو بھی کبھی اُن کی

ریاکاری کا شبہ نہیں ہوا اور کبھی اُنہوں نے اپنے نیک برتاؤ سے تجاوز نہیں کیا۔

بیشک ایک نیک اور صادق طبیعت شخص جس کو اپنے خالق پر بھروسہ ہو اور جو ایمان اور رسم و رواج میں بہت بڑی اصلاح کرے حقیقت میں صاف خدا کا ایک آلہ ہوتا ہے۔ اُس کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا پیغمبر ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کے اور وفادار خادم گذرے ہیں اگرچہ اُن کی خدمتیں کامل نہ تھیں۔ اُسی طرح محمدؐ کو بھی ہم خدا کا ایسا سچا خادم کیوں نہ سمجھیں جس نے خدا تعالیٰ کی خدمت ایسی ہی وفاداری سے کی۔ جیسی اَوروں نے جو مثل اَوروں کی خدمت کے پوری اور کامل نہ تھی۔ اس بات پر کیوں یقین نہ کیا جاوے کہ اُس کو زمانہ اور اپنے ملک میں اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت اور تعظیم سکھلانے کیلئے اور ان کی حالت کے مناسب اُن کو نیکی اور اخلاقی امور میں نصیحت کرنے کیلئے خدا نے بھیجا تھا اور وہ راست بازی اور نیک کرداری کا واعظ تھا۔

ایڈورڈ گبن صاحب لکھتے ہیں کہ "محمدؐ کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک صاف ہے قرآن خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے مکہ کے پیغمبر نے بتوں کی۔ انسانوں کی۔ ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے اور جو حادث ہے وہ فانی ہوتی ہے اور جو قابلِ زوال ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے۔ اُس نے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا نہ وہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں اور نہ کوئی اُس کا ثانی موجود ہے جس سے اُس کو تشبیہ دے سکیں، وہ ہمارے نہایت خفیہ ارادوں پر بھی

آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے اخلاق اور عقل کا کمال جو اسکو حاصل ہے وہ اس کو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے اُن بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اُس کے پیروں نے اُن کو نہایت مستحکم طور سے قبول کیا اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعے سے بہت دُرستی کے ساتھ اُنکی تشریح اور تصریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالےٰ کے وجود اور اُس کی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقیدے کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے موجودہ ادراک اور قوائے عقلی سے بہت بڑھ کر ہے اس لئے کہ جب ہم نے اُس نامعلوم چیز (یعنی خدا) کو زمان اور مکان اور حرکت مادہ اور حس اور تفکر کے اوصاف سے مبرّا کر دیا تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لئے کیا چیز باقی رہی وہ اصل اول (یعنی ذات باری تعالےٰ) جسکی بنا عقل اور وحی پر ہے محمدؐ کی شہادت سے استحکام کو پہنچی چنانچہ اس کے معتقد ہندوستان سے لے کر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں اور بتوں کو ممنوع سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے"۔

مسٹر ٹامس کارلیل صاحب لکھتے ہیں کہ "ہم لوگوں (یعنے عیسائیوں) میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمدؐ ایک پُر فن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹ کے اوتار تھے اور اُن کا مذہب دیوانگی اور خام خیالی کا ایک تودہ ہے اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرتی جاتی ہیں جو جو جھوٹ باتیں دور اندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں (یعنی عیسائیوں) نے اُس انسان (یعنی محمد صلعم) کی نسبت قائم کی تھیں اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کے باعث ہیں

چنانچہ ایک، یہ بات مشہور ہے کہ پاکر ک صاحب نے جب گرد ٹیس صاحب سے پوچھا کہ یہ قصّہ جو تم نے لکھا ہے کہ محمدؐ نے ایک کبوتر کو تعلیم کیا تھا کہ وہ آنکے کان میں سے مٹر نکالا کرتا تھا اور مشہور کیا تھا کہ وہ فرشتہ ہے جو آنکے پاس وحی لایا کرتا ہے تو اس قصّہ کی کیا سند ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "اس قصّہ کی کوئی سند اور کچھ ثبوت نہیں" حقیقت یہ ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ایسے ایسے قصوں کو بالکل چھوڑ دیا جاوے۔ جو جو باتیں اس انسان (یعنی محمد صلعم) نے اپنی زبان سے نکالیں بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ آدمیوں کے لئے بمنزلہ ہدایت کے خاتم نہیں ان اٹھارہ کروڑ آدمیوں کو بھی اسی طرح خدا نے پیدا کیا ہے جس طرح تم کو پیدا کیا ہے۔ اس وقت جتنے آدمی محمدؐ کے کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کسی کے کلام پر اس زمانے کے لوگ یقین نہیں رکھتے پھر کیا ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ جس کلام پر خدائے قادر مطلق کی اس قدر مخلوق زندگی بسر کر گئی اور اسی پر مر گئی کیا وہ ایسا جھوٹا کھیل ہے جیسا کہ ایک بازی گر کا ہوتا ہے۔ میں اپنے نزدیک ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتا بلکہ میں بہ نسبت اور چیزوں کے اس پر جلد یقین کرتا ہوں، اگر جھوٹی اور فریب کی باتیں دنیا میں اس قدر زور آور ہوں اور رواج پکڑ جاویں اور مسلّم ٹھیر جاویں تو پھر اس دنیا کی نسبت کونسی کیا سمجھے گا۔ اس قسم کے خیالات جو بہت پھیلے ہوئے ہیں بہت ہی افسوس کے قابل ہیں اگر ہمکو خدا کی سچی مخلوقات کا علم کچھ حاصل کرنا منظور ہو تو ہمکو ایسی باتوں پر یقین کرنا ہرگز نہیں چاہیئے وہ باتیں ایسے زمانے میں پھیلی تھیں۔ جب کہ توہمات کو بہت دخل تھا اور انھیں توہمات کے سبب خیال تھا کہ آدمی کی روحیں غمگین خرابی میں پڑی ہوتی ہیں جو

اُن کی ہلاکت کا سبب ہے۔ میرے نزدیک اس خیال سے کہ ایک جھوٹے آدمی نے ایک مذہب قائم کیا اور کوئی اس سے زیادہ بد اور ناخدا ترس دنیا میں نہیں پھیلا۔ بھلا یہ کب ہو سکتا ہے کہ ایک جھوٹا آدمی جو چونہ اور اینٹ اور اور مصالح کی حقیقت کو سچ نہ جانے اور پختہ مکان بنا لے وہ پختہ مکان کا ہے کو ہو گا۔ بلکہ خاک کا ایک ڈھیر ہو گا۔ بارہ سو برس تک اس کو کیسے قیام ہو سکتا ہے اور اٹھارہ کروڑ آدمی اس میں کب رہ سکتے ہیں بلکہ اب تک وہ مکان کبھی کا سر کے بل گر پڑا ہوتا۔ ضرور ہے کہ ایک آدمی اپنے طریقوں کو قانون قدرت کے مطابق کرے اور قدرت کے سامانوں کی حقیقت کو سمجھے اور اُس پر عمل کرے ورنہ قدرت سے اس کو یہ جواب ملے گا کہ نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا جو جو قانون اور قاعدے خاص ہیں وہ خاص ہی رہتے ہیں عام نہیں ہو جاتے افسوس ہے کہ کوئی شخص مثل کاگ اسٹروبیا اور ایسے ہی بہت سے دنیا کے سر برآوردہ لوگوں کے چند روز کیلئے اپنے فند ظرت سے کامیاب ہو جاتے ہیں مگر اُن کی کامیابی ایک جعلی ہنڈوی کی مانند ہوتی ہے جس کو وہ اپنے نالائق ہاتھوں سے جاری کرتے ہیں اور خود الگ تھلگ رہتے ہیں اور اوروں کو اُسکے سبب سے نقصان پہنچاتے ہیں مگر قدرت آگ کے شعلوں اور فرانسیسی ہنگاموں اور اسی قسم کے اور غضب ناک ظہورے ظاہر ہو کر یہ بات بہت غضب اور قہر سے دنیا پر ظاہر کر دیتی ہے کہ جعلی ہنڈویاں جعلی ہی ہیں"۔

راقم

سید احمد

بمقام لنڈن محلہ اسکلین برگ اسکوئر مکان نمبر ۲۱

سنہ ۱۸۷۰ء مطابق سنہ ۱۲۰۷ھ ہجری

جغرافیہ جزیرۃ العربیہ

عرب یا وہ جزیرہ نما جو جزیرۃ العرب کہلاتا ہے۔ بحر احمد کے مشرق کیطرف واقع ہے اور یہاں سے خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے۔ اس بات کا ٹھیک ٹھیک متحقق ہونا کہ اس ملک نام عرب کیونکر اور کس زمانے میں رکھا گیا نہایت مشکل ہے۔ لیکن کتاب اول ملوک باب (۱۰) درس (۱۵) میں جہاں ملکہ سبا اور حضرت سلیمان کی ملاقات کا ذکر ہے اس ملک کو عرب کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ سنہ ۳۰۰ دینوی یا ۱۰۰ قبل حضرت مسیح کے گذرا تھا مگر ہماری رائے میں یہ جزیرہ حضرت سلیمان کے زمانے کے بہت پہلے سے عرب کے نام سے کہلایا جاتا تھا کیونکہ اس کا ذکر کتاب ملوک میں اس طرح پر کیا گیا ہے کہ گویا ایک بہت معروف اور مشہور ملک کا نام ہے۔ کتاب تودیہ مثنے باب (۱) درس (۷) و باب (۲) درس (۸) میں لفظ عربہ پایا جاتا ہے مگر جو باتیں[1] کہ اس جزیرہ نما

---

[1] بعضے لوگ عرب کے نام کو لفظ عربہ کی طرف جس کے معنی ہموار بیابان کے ہیں اور جو صوبہ تھا رابیہ ضلع ہے منسوب کرتے ہیں اور بعض لوگ لفظ عبر کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کے معنی خانہ بدوش کے ہیں کیونکہ زمانہ سابق میں عرب خانہ بدوش تھے۔ اس صورت میں اس کا اشتقاق لفظ عبرانی سے جس کی یہی وجہ تسمیہ ہے ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ لفظ عبری مصور عربیہ سے نکلا ہے جس کے معنے نیچے جانے کے ہیں اور اس سے وہ ملک مراد ہے جسمیں

کی وجہ تسمیہ میں بیان کی گئی ہیں اُن میں سے وہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے جو خود اس لفظ سے نکلتی ہے اور جو (۱) ملک کی طبعی بناوٹ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لفظ عربہ کے معنی وادی یا بیابان کے ہیں اور چونکہ ایک بڑا حصّہ جزیرہ عرب کا بالکل بیابان ہے اور وادی کے نام سے مشہور ہے اسی وجہ سے کل جزیرہ کا نام عرب ہو گیا۔ لفظ عربہ کا ہر قصبہ کے نام کے پہلے بطور ایک عام صفت کے لگایا جاتا تھا اور اسی طرح عربات[1] جو اُس کی جمع ہے اس جزیرے کے ایک حصّے پر بولا جاتا تھا جیسا کہ کتاب توریہ مثنے باب (۳۴) درس (۱ و ۸) میں آیا ہے۔ بعض مورخ ازراہ جرأت یہ رائے دیتے ہیں کہ ایک گاؤں[2] موسوم کی وجہ سے جو تہامہ کے نزدیک واقع ہے اس تمام جزیرے کا یہ نام پڑ گیا مگر یہ رائے ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ممکن ہے کہ لفظ عربہ جو کسی گاؤں کے نام کے پہلے محض بہ حیثیت ایک جزو ممیّزہ کے استعمال کیا جاتا ہو اور رفتہ رفتہ اُس کے اصلی نام کے قائم مقام ہو گیا ہو۔

عرب کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مغرب میں بحر احمر۔ مشرق میں خلیج فارس و خلیج عمان۔

عبرک یعنی اولاد سام بن نوح کو جو دریائے فرات کے کنارے پر رہتی تھی آفتاب غروب ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ بوکارٹ صاحب کے نزدیک لفظ عرب ایک فنی شین لفظ سے جس کے معنی اناج کے بالوں کے ہیں مشتق ہوا ہے لفظ عربہ ایک عبری لفظ بھی ہے جسکے معنے بنجر زمین کے ہیں اور توریت میں شام اور عرب کی حد فاصل کے طور پر بارہا بولا گیا ہے (چیمبرز این سائیکلوپیڈیا صفحہ ۳۴۴) ٭

[1] عربات بالتحریک، جمع عربۃ وھی بلاد العرب (مراصد الاطلاع جلد ۲ صفحہ ۲۴۵)

[2] عربۃ قریۃ فی اول وادی نخل تمن جرعۃ مکۃ (الیضاً صفحہ ۲۴۶)

جنوب میں بحر ہند۔ شمال کی جانب اُس کی سرحد بابل اور شام سے ملی ہوئی ہے اور اُس کو آبنائے سویز مصر سے علیحدہ کرتی ہے۔ یہ جزیرہ نما شمال اور مغرب کی جانب کنعان سے ملا ہوا ہے جو بنی اسرائیل کا وطن ہے اور جس کو متقدمین یونانی فنشیا اور متوسط زمانے کے لوگ فلسطین یا ارض مقدس کہتے تھے اور بالفعل سریا یا شام کے نام سے مشہور ہے اسی زمین کی نسبت خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد سے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن چونکہ ان دونو ملکوں کی اس سمت میں بیابان حائل ہیں اس لئے قبل اس کے کہ عرب کے شمالی اور مغربی حد معیّن کرنے کی کوشش کی جاوے یہ عرض موعود کی جنوبی اور مشرقی حد کو محقق کرنا چاہیئے۔ جب کہ خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہاری اولاد کو ایک ملک عطا کرونگا اُس وقت حضرت ابراہیم اُس مقام پر رہتے تھے جو درمیان (بیت ایل۔ اور۔ عی) کے واقع ہے۔ جیسا کہ سفر تکوین باب (۲) درس (۳) میں مذکور ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت ابراہیم کو وہ ملک جس کے دینے کا وعدہ کیا تھا دکھلایا تھا۔ لیکن اُس کی ٹھیک ٹھیک حدیں نہیں بتائی تھیں جیسا کہ سفر تکوین باب (۳) درس (۱۴ و ۱۵) سے ظاہر ہوتا ہے مگر جب خدا تعالیٰ نے دوبارہ اپنے وعدے کی تجدید کی اُسوقت حضرت ابراہیم کو صرف اُس کی حدیں بتلائیں جیسا کہ سفر تکوین باب (۱۵) درس (۱۸) میں لکھا ہے کہ خدا نے ابراہیم سے کہا کہ اس زمین کو نہر مصر سے نہر بزرگ تک جو نہر فرات ہے تیری ذرّیت کو دوں گا۔

مگر تعجب ہے کہ اُس کے بعد کتاب ہائے مقدس کے کسی لکھنے والے نے دریائے

مصر کو "ارض موعود" کی سرحد نہیں قرار دیا جس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ برخلاف اس کے بیر شبع[1] کو ہر جگہ اُس کی حد جنوبی قرار دیا ہے اور جب کہ خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کو بیابان موآب میں "ارض موعود" دکھلائی تو انھوں نے دیکھا کہ صوعر[2] اُس کی جنوبی سرحد ہے صوعر اور بیر شبع قریب قریب ایک ہی خط میں واقع ہیں اس واسطے اُن دونوں میں سے کوئی جگہ بلا تفرقہ "ارض موعود" کی جنوبی سرحد قرار پا سکتی ہے ؛

مگر یہ بات بالتخصیص جاننی چاہیئے کہ بیر شبع[3] دو تھے ایک کا نام صرف بیر شبع تھا اور دوسرے کا نام قریہ بیر شبع یا شبعہ[4] کہا جاتا تھا یعنے وہ جگہ جہاں بیابان جرار میں حضرت اسحاق کے نوکروں نے اُس وقت جبکہ حضرت اسحاق اور

---

[1] کتاب قضاۃ باب ۲۰ درس ۱۔ تھوئیل اول باب ۳ درس ۲۰۔ سموئیل دوم باب ۳ درس ۱۰ و باب ۱۷ درس ۱۱۔ باب ۲۴ درس ۲ و ۱۵۔ ملوک اول باب ۱۹ درس ۳۔ ملوک دوم باب ۲۳ درس ۸۔ تواریخ اول باب ۲۱ درس ۲۔ تواریخ دوم باب ۳۰ درس ۵ ؛

[2] توریہ متنے اباب ۲۴ درس ۳ ؛

[3] ہم کو صاف اور صریح خبر ملی ہے (سموئیل دوم باب ۲۴ درس ۷ و ۱۵) سے کہ بیر شبع یہودیہ کے جنوب میں ادومیہ کی جانب واقع تھا اور اس واسطے اُس کو وہ بیر شبع نہ سمجھ لینا چاہیئے جو گلیلی کے اوپر کے حصہ میں واقع ہے اور جس کا ذکر جوزیفس نے اور حال میں ڈاکٹر رچرڈسن نے کیا ہے۔ (بائبل سائیکلوپیڈیا مولفہ جے پی لانسن ایم اے جلد ۱ صفحہ ۲۰۷) ؛

[4] سفر تکوین باب ۲۱ درس ۳۱ و ۳۲ ؛

[5] یوشع باب ۱۹ درس ۲ ؛

ابی ملک کے باہم عہد و پیمان اور حلف ہوا تھا ایک کنواں کھودا تھا چنانچہ سفر
تکوین باب ۲۶ درس ۳۲ و ۳۳ میں لکھا ہے اور ایسا ہوا کہ اُسی دن اسحاق کے
نوکر آئے اور اُس کنوئیں کا حال جو اُنہوں نے کھودا تھا بیان کیا اور اُن سے
کہا کہ ہم کو پانی مل گیا اور اُنہوں نے اس کا نام شبع رکھا۔ اسی واسطے اُس شہر کا
نام آج تک بیر شبع ہے۔ اور یہ وہی جگہ ہے جہاں سے کہ حضرت یعقوب
ہاران کو روانہ ہوئے تھے اور اسی جگہ حضرت یعقوب کے بیٹے جب کہ وہ مصر
کو غلہ لینے جاتے تھے ٹھیرتے تھے اور ایک زمانے میں یہ شہر گردونواح کے
ملک کا پایۂ تخت تھا اور شموئیل کے لڑکے وہاں حاکم تھے۔ عاموص نبی نے بھی
اس مقام کا ذکر کیا ہے کہ یہاں بت پرستی بہت شائع تھی۔ اور جیسا یہوشواش
اسی جگہ پیدا ہوئی تھی اور ایلیاہ ملکہ ایزبل کے خوف سے یہاں بھاگ آئی تھی۔ یہ
شہر بابل والوں کی گرفتاری تک ویران نہیں ہوا تھا۔ بعض لوگوں کی یہ رائے
ہے کہ وہ اب ایک نہایت چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے اور ایک وسیع ریگستان
کے قرب و جوار میں واقع ہے جہاں کہ بجز اطراف سمندر کے آبادی کا نام و نشان

۱؎ سفر تکوین باب ۲۸ درس ۲ ۲؎ سفر تکوین باب ۲۶ درس ۱ و ۵
۳؎ شموئیل اول باب ۸ درس ۲ ؛
۴؎ کتاب [illegible] باب ۸ درس ۱۴ و باب ۷ درس ۹ ؛
۵؎ ملوک ثانی باب ۱۲ درس ۱۔ تواریخ دوم باب ۲۴ درس ۱ ؛
۶؎ ملوک اول باب ۱۹ درس ۳ ؛
۷؎ یشعیاہ باب ۱۷ درس ۷ و ۳۰ ؛

نہیں ہے۔ یہ بیر شیخ حبرون سے بیس پچیس میل کے فاصلے پر تھا اور یوسی بلیس کے زمانے میں جو چوتھی صدی قبل مسیح میں گذرا ہے اس میں ایک رومی فوج رہتی تھی۔ یہ بیر شیخ اکیتس درجہ سترہ دقیقہ عرض شمالی پر واقع تھا اور طول شرقی اس کا چونتیس درجہ اور چون دقیقہ کا تھا۔ پہلا بیر شیخ تو فلسطین اور شور کے بیابانوں کے بیچ میں تھا اور حضرت ابراہیم نے اس کو بنایا تھا حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کلدانیوں کے شہر کے جس کا نام "اور کلدانیاں" تھا چھوڑ کر حاران کو چلے گئے اور وہاں چند روز ٹھیر کر مصر کی طرف چلے گئے اور جب مصر سے واپس ہوئے تو اسی جگہ پر ٹھیرے جہاں کہ پہلے ٹھیرے تھے اور وہاں سے حضرت لوط اس کے ساتھ سے جدا ہو کر وادی اردن کو روانہ ہو گئے۔ حضرت ابراہیم نے قادیش اور شور کے بیابانوں میں سکونت اختیار کی اور وہاں ایک کنواں کھودا حضرت ابراہیم مدت تک یہاں رہے اور ایک باغ لگایا۔ اور جب حضرت یاجر حضرت

---

۱ سفر تکوین باب ۱۱ درس ۳۱۔

۲ سفر تکوین باب ۱۳ درس ۳۔

۳ سفر تکوین باب ۱۳ فقرہ ۱۰ و ۱۱۔

۴ سفر تکوین باب ۲۰ درس ۱۔

۵ سفر تکوین باب ۲۱ درس ۱۴۔ ۱۵ و ۳۲۔

۶ سفر تکوین باب ۲۲ درس ۱۹۔

۷ سفر تکوین باب ۲۱ درس ۳۳۔

۸ سفر تکوین باب ۱۶ درس ۱۴۔

ابراہیم کی پہلی بی بی حضرت سارہ سے ناراض ہو کر نکل گئی تھیں تو اسی جگہ پر آئی تھیں اور اسی کنویں کے پاس اُن کو خدا کا فرشتہ دکھائی دیا تھا اور اس لئے انہوں نے اس کنویں کا نام بیر لحی روئی یعنی "بیر لحی اطوئی" رکھا تھا اس کے بعد ایک قحط سالی کے ایام میں حضرت اسحٰق نے اُس مقام کی سکونت چھوڑ دی اور جرار[1] کو چلے گئے اس میں کچھ شک نہیں کہ نلدیش ایک اُجڑ جگہ ہے اور جرار اُس سے بہت دُور ہے وہاں کے باشندے حضرت اسحٰق سے واقف نہ تھے اور غالباً بد طینت اور بد خصلت آدمی تھے اس لئے حضرت اسحٰق نے جیسا کہ توریت میں لکھا ہے اُن لوگوں سے اپنی بی بی کی نسبت کہا کہ یہ میری بہن[2] ہے۔ مگر جب ابی ملک نے حضرت اسحٰق کو جرار سے نکالدیا تب اُنہوں نے بیابان جرار میں بود و باش اختیار کی اور وہاں ایک کنواں کھودا جس کا نام شبع رکھا اور جس مقام پر سکونت اختیار کی تھی اُس کا نام قریہ سبع[3] شبع رکھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جگہ وہ جگہ ہرگز نہیں ہو سکتی جہاں حضرت ابراہیم نے کنواں کھودا تھا[4]۔

ان باتوں کی اس قدر تفصیل کرنے سے ہمارا منشا دو چیزوں کے ثابت کرنے کا ہے اول یہ کہ عرب کی شمالی حد ملک شام یا "ارض موعود" سے ملحق ہوتی ہے اور "ارض موعود" کی جنوبی حد حضرت اسحٰق والا بیر شبع یا

---

[1] سفر تکوین باب ۲۶ درس ۱ ۔

[2] سفر تکوین باب ۲۶ درس ۷ ۔

[3] سفر تکوین باب ۲۶ درس ۳۳ ۔

صوعر جس کو مبلغ شبعی کہتے ہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم والا بیر شبع قادیش میں ہے جو ملک عرب میں واقع ہے۔

جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم والا بیر شبع اور حضرت اسحاق والا بیر شبع دونوں ایک ہی ہیں اُن واقعات پر مبنی ہے جن کو کہ میں ابھی ثابت کروں گا کہ اُن پر کسی طرح اعتبار نہیں ہو سکتا سب سے پہلا واقعہ جو اُن کی رائے کا موید ہے یہ ہے کہ جب حضرت اسحاق قادیش سے چلے گئے۔ تو فلسطین والوں نے حضرت ابراہیم کے کھودے ہوئے کنوئیں کو مٹی سے بھر کر بند کر دیا اور جب کہ ابی ملک نے حضرت اسحاق کو جرار سے نکال دیا تو حضرت اسحاق نے اُنہیں کنوؤں کو از سر نو کھودا جو اُن کے والد حضرت ابراہیم کے زمانے میں کھودے گئے تھے اور جن کو فلسطین والوں نے روک دیا تھا اور اُنہوں نے اُن کنوؤں کے وہی نام رکھے جو اُن کے والد نے رکھے تھے مفسرین توریت کا یہ استدلال ابتدائی یا سرسری نظر میں ٹھیک معلوم ہوتا ہے اور خیال میں آتا ہے کہ بیر شبع ایک ہی ہوگا مگر ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ خیال ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ سفر تکوین کے چھبیسویں باب کی اٹھارھویں آیت تک توریت میں حضرت ابراہیم کے صرف اُنہیں کنوؤں کا بیان ہے جن کو حضرت اسحاق نے پھر کھدوایا تھا مگر اُسی باب کی اُنتیسویں آیت سے لے کر آخر باب تک اُن قدیم کنوؤں کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ بلکہ نئے کنوؤں کا ذکر ہے۔ ان نئے کنوؤں کے نام بھی حضرت اسحاق نے نئے رکھے تھے اول کا نام بیر عسق۔ دوسرے کا نام سطنہ۔ تیسرے کا نام رحوبوت اور

لہ سفر تکوین باب ۱۴ درس ۲ ؎

پچھلے کا نام سبعہ رکھا تھا۔ اس سے مرتبع واضح ہے کہ یہ کنوئیں حضرت ابراہیم کے کنوؤں میں سے نہیں تھے۔ پھر اسی باب کی سترھویں آیت کا صاف صاف مضمون یہ ہے کہ حضرت اسحاق نے جرار کی وادی میں اپنا خیمہ نصب کیا اور وہاں آباد ہوئے اور اٹھائیسویں اور بتیسویں درس میں بیان ہے کہ حضرت اسحاق کے آدمیوں نے وادی میں کنواں کھودا اور وہاں ایک کنواں جاری پانی کا برآمد ہوا اور جرار کے چرواہوں نے حضرت اسحاق کے چرواہوں سے تکرار کی اور پانی پر اپنا دعوے کیا۔ پس جبکہ ان سب آیتوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جاوے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کنوئیں وادی جرار میں کھودے گئے تھے نہ وادی حادیشہ میں۔ ایک اور امر جو مذکورہ بالا لوگوں کی رائے کی تائید کرتا ہے۔ تینتیسویں آیت کا یہ مضمون ہے کہ حضرت اسحاق اپنی ملک کو چھوڑ کر بیر شبع کو چلے گئے جس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس بیر شبع سے مراد حضرت ابراہیم والا بیر شبع ہے کیونکہ اس وقت تک حضرت اسحاق والے بیر شبع کا وجود بھی نہ تھا۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ جس بیر شبع کا اس آیت میں ذکر ہے وہ حضرت ابراہیم والا بیر شبع نہیں ہے بلکہ حضرت اسحاق والا بیر شبع ہے۔ کتب مقدسہ لکھنے والوں کا یہ قاعدہ ہے کہ پچھلے زمانے کے حالات لکھتے ہیں جب کسی مقام کا ذکر آتا ہے تو وہ اس مقام کا وہی نام لکھ دیتے ہیں جو زمانہ تحریر میں اس کا نام ہوتا ہے گو کہ اس زمانے میں جسکا وہ حال لکھتے ہیں اس مقام کا وہ نام نہ تھا بلکہ وجود بھی نہ تھا۔ چنانچہ اکثر مقامات میں انہوں نے بہت سے شہروں اور قصبوں کا جو اس زمانے کے عرصہ دراز کے بعد وجود میں آئے تھے نام لیکر ذکر

کیا ہے اکیسویں باب کی چودھویں آیت میں حضرت ابراہیم والے بیر شبع کا نام مذکور ہے اگرچہ اُس وقت تک اُس کنویں نے وہ لقب حاصل نہیں کیا تھا۔

عربیا علم العلوم ایک وسیع مسطح اور ویران ملک ہے مگر جا بجا چند بے انتہا سرسبز و شاداب اقطاع بھی واقع ہیں اور بعض عظیم الشان پہاڑ بھی ہیں جنکی گھاٹیاں تازگی اور خوشنمائی کے لئے مشہور ہیں۔ اُن میں جو سب سے بڑے نقصانات ہیں وہ کثرت سے وادیوں کا ہونا اور پانی کا نہ ہونا ہے۔ میوے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں جن میں کھجور نہایت عمدہ اور خوش ذائقہ ہوتی ہے جو عربیا کے ملک سے مخصوص ہے اور درحقیقت عرب کے لوگوں کی زندگی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ عرب کے گھوڑے تمام دُنیا کے گھوڑوں سے عمدہ اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ لیکن عرب کے لئے سب سے زیادہ مفید جانور اونٹ ہے جسکو ریگستان کا جہاز لکھنا بیجا نہیں ہے۔

عرب ٹھیک طور سے دو حصّوں میں منقسم ہو سکتا ہے ایک عربیا پٹرا یعنے کوہستانی عرب جو خاکستانی سوئیس سے لے کر بحر احمر عربیا تک پھیل رہا ہے۔ دوسرا عربیا الوادی یعنے عرب کا مشرقی حصہ۔ مگر بطلیموس[1] پرانے جغرافیہ دان

---

[1] جزیرہ عرب کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا موجد بطلیموس خیال کیا جاتا ہے اور وہ تین حصّے یہ ہیں۔ عربیا الحجر۔ عربیا الصحرا۔ عربیا الوادی۔ عربیا الحجر میں تمام شمالی۔ غربی حصہ شامل تھا۔ عربیا الصحرا میں غربی اور جنوبی کنارہ۔ عربیا الوادی میں تمام اندرونی حصہ جو اچھی طرح معلوم نہ تھا۔ مگر اس تقسیم کو عرب کے لوگ تسلیم نہیں کرتے اور حال کی تحقیقات کی رُو سے بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی چیمبرز ان سائیکلوپیڈیا صفحہ ۲۴۴۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بطلیموس نے ملک کو اُس کی طبعی حالت کے لحاظ سے تقسیم کیا تھا نہ کہ حد بندی کے لحاظ سے۔

نے عرب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے. عرب الجر یعنے پتھریلا عربا عربا المعمور یعنے عرب آبادان عرب الوادی یعنے ریگستانی عرب۔ آجکل کے نقشوں میں عربا الجر میں صرف وہ حصّہ ملک کا شامل رکھا گیا ہے جو خلیج سویز اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے مگر اُس تقسیم کے لیے کوئی معتبر سند نہیں. بطلیموس کے جغرافیہ کے مطابق عربا الجر کو خلیج سویز سے لے کر یمن یا عربا المعمور کی حد تک شمار کرنا چاہیے وہ لوگ جن کے نزدیک بطلیموس نے عرب المعمور لفظ یمن کا ترجمہ کیا ہے۔ بلاشک غلطی پر ہیں کیونکہ اُس پرانے جغرافیہ دان کے زمانے میں عربا الجر کا جنوبی حصّہ گنجان آباد تھا اور تجارت کے لیے مشہور تھا۔ جسکی وجہ سے اُس نے تمام جزیرے کے اُس حصّے کا عرب المعمور نام رکھدیا۔ عربی جغرافیہ دانوں نے جزیرہ عرب کو پانچ حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ تہامہ حجاز۔ نجد۔ عروض۔ یمن۔ یہ ملکوں کے نقوش اور جغرافیہ دان جو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس ملک کو حجاز سب سے کہتے ہیں کہ حاجی اور زائروں کا عام مرجع ہے۔ وہ بڑی غلطی پر ہیں کیونکہ لفظی معنے حجاز کے اُس چیز کے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان میں واقع ہو۔ تمام ملک کا یہ نام اُس پہاڑ کیوجہ سے پڑ گیا ہے جو شام اور یمن کے درمیان بطور حجاب کے واقع ہے۔ عرب بہ لحاظ اُن مختلف قوموں کے جو اُس زمانے میں آباد ہیں اور اُن آبادیوں کے ناموں کے اور اُن آبادیوں کے ملکی حالات کے اور اُن کے باشندوں کے اعتبار سے بے شمار حصوں میں منقسم ہوگیا ہے مگر اس بات کا کہنا کہ یہ حصّے ٹھیک ٹھیک کسطرح پر ہیں بغیر اس بات کے اول جان لینے کے کہ یہ قومیں جو اُن میں آباد ہیں کون ہیں اور کہاں سے

آئی ہیں اور کہاں کہاں آباد ہوئیں اگر محال نہیں تو غیر ممکن تو ضرور ہے اس لئے ہم حتے الامکان ان امور کی تنقیح کی کوشش کریں گے۔ ان امور کی نسبت کتب مقدسہ یا عرب کے قرب وجوار کی قوموں کی کتابوں میں بہت کم تذکرہ پایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کتب مقدسہ کے لکھنے والے صرف "ارض موعود" کے حالات لکھنے اور تلاش کرنے میں مصروف رہے اور اُن کی تمام ہمت صرف بنی اسرائیل کے حالات لکھنے پر منحصر تھی اور غیر قوموں نے اس ویران اور بے ثمر ملک کی طرف کچھ توجہ نہیں کی ؛

اس کتاب کے لکھنے میں جہاں تک کہ ہو سکے گا ہم اُن دونوں ذریعوں سے گو کہ اُن سے بہت ہی کم حالات معلوم ہوتے ہیں فائدہ حاصل کریں گے اور اُس کی تائید میں عرب کی ملکی روایتوں سے جو قابل اعتبار معلوم ہوتی ہیں غفلت نہ کریں گے ؛

جو ملکی روایتیں عرب کی مختلف قوموں کی تقسیم کے باب میں ہیں وہ نہایت معتبر ہیں کیونکہ عرب کے لوگ اپنی آبائی رسوم اور اوضاع اور اطوار کے بدرجۂ غایت پابند تھے اور انکو کبھی ترک کرنا یا تبدیل کرنا نہیں چاہتے تھے اور اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے نسب ناموں کو یاد رکھنا تقریباً قریباً اپنا فرض سمجھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ہر ایک قوم نہیں بلکہ ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا جُدا جُدا نام رکھتا تھا اور اُس ذریعے سے ہر ایک شخص اپنی قوم اور قبیلے کو بخوبی جانتا تھا اور اپنے حسب ونسب پر بے انتہا فخر کرتا تھا اور جسطرح کہ پُرانی قوموں "سکندینوین" اور "سلٹک" کے ہاں کڑکیت ہوتی تھی اسی طرح عرب کی قوموں میں بھی ہوتی تھی جن کا لڑائیوں

میں مردانہ اشعار پڑھنا اور لڑنے والوں کو اُنکے حسب نسب کا جتانا جنگی باجے کا کام دیتا تھا۔

جو کچھ کہ میں نے عرب کی ملکی روایتوں کی نسبت بیان کیا ہے اُسکی تائید مسٹر فارسٹر کے بیان سے ہوتی ہے۔ اُنہوں نے عرب کا ایک جغرافیہ لکھا ہے، اُس میں وہ لکھتے ہیں کہ "عربوں کی قدیمی اوضاع اور رسوم اور یادگار رہنے کی پابندی کو جو ہمیشہ سے زبان زد خاص وعام ہے تمام دلائل میں سب سے اول اور مناسب ہے کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اُن کے قومی خاصوں میں سے یہ خاصہ سب سے مقدم ہے"۔ ایک اور تعجب انگیز مثال عرب کی اس پابندی کی قدامت اور فاقت کی کرنیل جیمس نے اس طرح بیان کی ہے کہ عجل عربوں کا ایک گروہ بغداد کے قریب خیمہ زن ہوا میں اُن کے خیمہ گاہ کی سیر کے واسطے گیا۔ اُن خیموں کے بیچ میں شاہی نشان اسپین کا لہراتا ہوا دیکھ کر مجھ کو کمال حیرت ہوئی اور ایک عربی خیمہ میں تین دھاریوں کی علامتوں کو دیکھ کر میں نے اُن کا حال دریافت کرنیکی کوشش کی۔ ایک نہایت بڈھے آدمی نے مجھ سے کہا

لہ ہمارے ملک میں جو ہندو قومیں آباد ہیں اُن کے حالات پر غور کرنے سے اور اس بات کے دیکھنے سے کہ باوجود اس کے کہ ہزار ہا برس اور مختلف حکومتیں اُن پر گذر گئی ہیں مگر اُن کی جُدا جُدا قومیں آجتک کس طرح پر محفوظ ہیں اور ہر ایک شخص اپنی قوم اور اپنی گوت یعنے قبیلے سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے اور آج تک اُن کے معزز لوگوں کے ہاں بھاٹ اور کرکیت موجود ہیں۔ عرب کی قدیم قوموں کے حالات کا نقشہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے اور ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ کسی طرح اُنہوں نے اپنی قوم اور قبیلہ کو علیحدہ علیحدہ محفوظ رکھا تھا۔

کہ جب کہ اُن کے آباواجداد بربر کے ملک میں گئے تھے اور وہاں سے اسپین کی فتح کیواسطے روانہ ہوئے اُسوقت خلیفہ نے اُنکی خدمات کے جلدو میں قبیلہ عجل کو شاہی نشان اسپین کا بطور جھنڈے کے عطا فرمایا تھا۔ ڈین پریڈو نے عرب کی رسم ورواج کی نسبت اس طرح پر لکھا ہے کہ قوم عرب دنیا میں سب سے زیادہ قدیم قوم ہے جو اپنے مورثان اعلےٰ کے زمانے سے آجتک نسلاً بعد نسل اپنے ملک میں رہتی چلی آئی ہے اور جس قدر کہ عرب اپنی رسم ورواج میں تغیر وتبدل کو ناپسند کرتے ہیں اُسی قدر ملک کے ناموں کے بدلنے کو بھی ناپسند کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اکثر مقاموں کے وہی نام بدستور چلے آتے ہیں جو ابتدا میں رکھے گئے تھے اسی وجہ سے ملک مصر کے قدیمی دارالسلطنت کے رہنے والے جو مصری کہلاتے تھے اور بعد کو زمانۂ دراز تک بنام ممفس مشہور رہے عربوں کے تسلط کے زمانے سے پھر مصری کہلانے لگے اور جب سے برابر یہ نام چلا آتا ہے۔ یہ مثالیں منجملہ اُن بے شمار مثالوں کے ہیں جو علامہ ڈین نے بیان کی ہیں۔ پروفیسر رالنسن کا بیان ہے کہ فلسطین میں ایک اور قسم کی قدیمی روایت ہے جس سے کہ کنیسوں کو کچھ علاقہ نہیں ہے یعنے عوام الناس میں مقاموں کے قدیمی ناموں کا بجنسہ چلا آنا فی الحقیقت یہ قومی اور دیسی روایت ہے جو کسی طرح پر اجنبی کنیسوں اور اجنبی حکام کے اثر سے پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ اُنہوں نے اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ اسکو پیا ہے اور سامک زبانوں کی طبیعت میں اسکے کام کے ساتھ گھر پکڑ گئے ہیں۔ مقامات کے عبری نام انجیل کے زمانے کے بہت عرصہ بعد تک اپنی آرمینین شکل میں مروج رہا ہے اور باوجود اس کے کہ یونانی اور رومیوں نے اپنی

اپنی زبانوں کے ناموں کی ترویج کے لئے کوششیں کیں مگر عوام الناس کی زبان پر وہی پرانے نام جاری رہے ؛

غرضکہ ملک عرب کی ملکی روایتیں نہایت عمدہ اور صحیح ذریعہ ملک عرب کے حالات دریافت کرنے کا۔ اُن کی رسوم کا علم مندرجہ ذیل امور سے معلوم ہو سکتا ہے میدان جنگ میں کوئی جنگ آور بدون اس کے کہ حریف سے اپنا حسب و نسب یہ آواز بلند بیان کرے تنہا لڑائی میں مشغول نہیں ہوتا تھا ؛

کسی عام مہم میں ہر شخص اپنے ہی قوم کے سردار یا رئیس کے جھنڈے کے نیچے قیام کرتا تھا۔ بعض اوقات جب کہ کسی قوم کے کسی آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو اُسکی پاداش میں اُس ساری قوم کے لوگوں کو جرمانہ دینا پڑتا تھا جو اب شروع میں یہ لفظ الدیۃ علی العاقلۃ مستعمل ہے ؛

اس قسم کی رسوم کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے لوگوں کو اپنی قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم میں جا ملنا غیر ممکن ہو گیا تھا اور اسی بنا پر جزیرہ عرب کے مختلف اقطاع پر تقسیم ہونے کی روایتوں پر کما حقہ اعتبار قائم ہوا اور برقرار رہا۔ اب ہم عربوں کی اُس مشہور و معروف پابندی کو جو اپنی قومی اطوار اور عادات اور اپنے بزرگوں کی رسوم کے ساتھ رکھتے ہیں بیان کر کے سوال کرتے ہیں کہ اس بات کا یقین کرنا کس طرح سے ممکن ہے کہ ایسی قوم پر جو تغیر و تبدل کے اس قدر برخلاف ہو اور مزید برآں قبیلوں کے سخت اختلافات کی نسبت اسی قدر محتاط ہوں مندرجہ ذیل شبہات کرنے کے لئے کافی وجوہ ہیں یعنے ایسے شبہات کے کے لئے جنکی تائید کے واسطے کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ایک طرفدار مصنف

کے خیالی شوشے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ بنی عمیق اور بنی نبات میں ہم کو ایسو اور اسمٰعیل کی اولاد صاف صاف نظر آتی ہے اور اس بات کا فرض کر لینا کچھ ضروری نہیں ہے کہ اُن کے انساب کا علم یا روایت خود ان قوموں میں بجنسہ چلی آتی ہے بلکہ فتح کے انقلابات اور دوسری قوموں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے یہ بات بالکل بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ ایسی وحشی قوم کے پاس، جن کے پاس کوئی تحریری یادداشت نہیں ہے اُن کو اپنے نسب کی واقفیت اتنی صدیوں تک محفوظ اور برقرار رہی ہو۔ مگر اس معترض کو ہمارے اوپر کے بیان سے ثابت ہو گیا ہو گا کہ یہ امر ناممکن نہ تھا بلکہ درحقیقت اسی طرح پر واقع ہوا جیسا بیان ہوا ہے ؛

اب یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ حضرات اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ کی سکونت کے باب میں ملکی اور قومی دونو طرح کی روایتیں نہایت معتبر ذریعے سے ہمارے زمانے تک پہنچی ہیں اور وہ ایسی روایتیں ہیں کہ جنکو تمام قوم نے بلا تامل صحیح مان لیا ہے پھر ہم کس طرح کسی عیسائی طرف دار مصنف (سر ولیم میور) کے محض بے دلیل بیانات کو صحیح اور معتبر تصوّر کر سکتے ہیں جس کا یہ بیان ہے کہ "یہ روایت ایک کہانی ہے یا توریت سے اخذ کر کے تحریر کر دی گئی ہے" مگر جس وقت کہ اس عالی رتبہ مصنف نے یہ بیان کیا اُن کو معلوم نہ ہو گا کہ خود توریت ہی سے حضرت ابراہیم کے نسب کی بابت اُس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ اس کے بعد مصنف موصوف نے کم سن اسمٰعیل اور اُنکی بے کس ماں کی سکونت کی اصلیت کی نسبت اس طرح پر قیاس دوڑایا ہے

کہ "بنی اسمٰعیل اور عمالیق کی قومیں جزیرہ عرب کے شمال اور وسط میں پھیلی ہوئی تھیں۔ غالباً یہی لوگ مکہ کے اصلی متوطن ہوں گے یا زمانۂ سابق میں یمن کے لوگوں کے شمول میں وہاں آ بسے ہوں گے۔ اُس کے بعد ایک فرقہ بنی اسمٰعیل خواہ بنانی خواہ کسی ہم نسل خاندان کا وہاں کے کھنڈوں اور کاردانی تجارت کے دل پسند موقع کے لالچ میں وہاں چلا گیا ہوگا۔ اور بہت ہی اختیار ہو گیا ہوگا یہ فرقہ اپنی ابراہیمی نسب کی پُرانی روایتوں کو اپنے ساتھ لے گیا ہوگا اور مقامی اوہام اور اعتقادات پر خواہ وہ اُسی ملک کے ہوں یا یمن سے لائے گئے ہوں۔ اُنکو منقش کر دیا ہوگا"

ان قیاسی باتوں کی غلطی اُس طرح پر ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی عمر جبکہ اُن کے باپ نے اُن کو گھر سے نکالا تھا توریت کے مطابق سولہ برس کی تھی اور یہ عمر ایسی تھی کہ جو روایتیں اُنہوں نے اپنے والد سے سُنی تھیں اُن کے سمجھنے اور تمیز کرنے اور یاد رکھنے کے قابل تھے۔ اس کے سوا وہ ہمیشہ اور متواتر اپنے والد سے ملاقات کرتے رہے اور حضرت ابراہیم بھی اکثر اُن کے پاس آتے جاتے تھے۔ انجام

لہ جب حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی برس کی تھی (سفر تکوین باب ۱۶ درس ۱۶) اور جب حضرت اسحاق پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر سو برس کی تھی۔ (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۵) اور حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو حضرت اسحاق کے دودھ چھٹنے کے زمانے میں گھر سے نکالدیا تھا اُس حساب سے حضرت اسمٰعیل جب کہ جلا وطن ہوئے تھے سولہ برس کے تھے۔ حضرت ابراہیم کا ایک سو پچھتر دیں برس کی عمر میں انتقال ہوا تھا اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق دونوں نے مل کر مکپیلا کے غار میں دفن کیا تھا (سفر تکوین باب ۲۵ درس ۹) اس لئے حضرت اسمٰعیل کی عمر اُس وقت نواسی برس کی تھی۔

کا رسب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ حضرت اسمٰعیل جنکی عمر اُس وقت نواسی برس کی تھی بروقت وفات حضرت ابراہیم اپنے والد کے اُن کے پاس موجود تھے یہ عربی باتیں ہر ذی فہم اور غیر متعصب شخص کے ذہن نشین کرنے کو کافی ہونگی کہ یہ تمام روایتیں جو مختلف اقوام عرب میں اس قدر شائع ہیں لوگوں کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سے پہنچی ہیں اور یہ امور ایسے بدیہی اور ذہن نشین ہونے کے لائق ہیں کہ اگر پھر کوئی شخص یہ راہ جرأت یہ کہے کہ یہ روایتیں یہودیوں کی وساطت سے پہنچی ہیں تو اُس کو سُنکر کچھ کم تعجب نہ ہوگا۔ مگر تعجب اس پر آتا ہے کہ مصنف موصوف نے اپنے قیاسی خیال کے ثابت کرنے کا ادعا کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ "مگر اُن بنی اسرائیل کو جو توریت پڑھتے ہیں صرف نام اور مقام ہی سے اس نسب کا اتصال عائد ہوتا ہے اور یہودی مصنفوں میں۔ الہامی ہوں خواہ غیر الہامی ہم کافی اظہار اس امر کا پاتے ہیں کہ ایسا خیال درحقیقت کیا گیا تھا۔ یہ قدرتی استنباط خود اُن قوموں میں جن سے وہ علاقہ رکھتا تھا قرب وجوار کے یہودیوں کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً شائع ہوگیا ہوگا اور اُن بیجوڑ روایتوں کے غیر مکمل آثار کو جو ہنوز اُنکے تخیلات اور اُنکی علامات اور اُنکی زبان میں موجود تھے تقویت دیدی ہوگی"۔

اگرچہ اس رائے کی غلطی اوپر کے بیان سے بخوبی ظاہر ہوگئی ہے مگر عرب کی قوموں کی عادت پر خیال کرنے سے اُس رائے کی اور زیادہ غلطی ظاہر ہوتی ہے۔ عرب کے قدیم رہنے والوں نے اپنی قبیلی عادت کے موافق اپنی اصلی اور روایتوں میں کوئی نئی روایت اضافہ نہیں کی تھی اور تمام غیر قوموں سے

بالکل علیحدہ رہتے رہے یہاں تک کہ جب حضرت اسمٰعیل اور اُن کے ہمراہی وہاں آکر آباد ہوئے تو قدیمی عرب اُن کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور ذیل لقب "مستعربہ" سے اُن کو ملقب کیا تھا۔ آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل اور خصوصاً اہل عرب بنی اسمٰعیل کو ہمیشہ دو مختلف قومیں سمجھتے رہے اور قدیم عرب نے اپنی قدیمی روایتوں کا اُن سے مبادلہ نہیں کیا اور بنی اسرائیل کے پاس عرب کی قوموں اور عرب کے انبیاؑ کی نسبت نبانی خواہ تحریری کوئی روایت نہ تھی۔

آنحضرت صلعم نے جب یہ بات فرمائی کہ جمیع انبیاء بنی اسرائیل برحق بنی تھے اور اُن پر ایمان لانا چاہئے اُسوقت بنی اسرائیل کی اور اُن کے نبیوں کی روایتیں اور قصے عرب کی روایتوں اور قصوں میں مخلوط ہو گئے۔ لیکن جو کہ بنی اسرائیل کے ہاں عرب کی کچھ روایتیں نہ تھیں اس وجہ سے عرب کی روایتیں بجائے خود بجنسہ برقرار رہیں۔

تمام نئے آباد ہونے والے جو وقتاً فوقتاً عرب میں آباد ہوئے اور قدیم متوطنان عرب نے تین نام حاصل کئے تھے۔ اول عرب البایدہ یعنی صحرائی عرب۔ دوم عرب العاربہ یعنی قدیمی عرب۔ سوم عرب المستعربہ یعنی عرب میں نئے آباد ہونے والے جو بہ سبب زمانہ دراز کی سکونت کے عرب بن گئے تھے یہ تین بڑی تقسیمیں قریب قریب تمام باشندگان عرب پر حاوی ہیں خانہ بدوش بدوؤں سے لے کر اُن قدرے شائستہ قوموں تک جو کنارے کے برابر برابر آباد ہیں اور معہذا قدیم باشندگان عرب اور جدید باشندگان عرب

عرب کے درمیان تمیز بھی قائم رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عرب کے باشندوں کا اُن مذکورہ بالا تین عام قسموں کے مطابق علیٰحدہ علیٰحدہ بیان کریں ؛

اوّل

عرب البایدہ یا خانہ بدوش صحرائی عرب کی قومیں

عرب البائدہ میں سات شخصوں کی اولاد کی سات مختلف گروہیں شامل ہیں (۱) کوش پسر حام پسر نوح کی اولاد (۲) عیلام پسر سام پسر نوح کی اولاد (۳) لود پسر سام پسر نوح کی اولاد (۴) عوص پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۵) حول پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۶) جدیس پسر گثر پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۷) ثمود پسر گثر پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد ؛

کوش کی اولاد خلیج فارس کے کنارے پر اور اُس کے قرب و جوار کے میدانوں میں آباد ہوئی ؛

جرہم پسر عیلام بھی اُسی طرف جاکر رودِ فرات کے جنوبی کناروں پر سکونت پذیر ہوا ؛

لود کے جوان میں سے تیسرا مورث اعلےٰ ہے تین بیٹے سمیان طسم ۔ عملیق امیم تھے جنہوں نے اپنے آپکو تمام مشرقی حصہ عرب میں یمامہ سے لے کر بحرین اور اُس کے گرد نواح تک پھیلا دیا ؛

عوص پدر عاد اور حول دونو نے ایک ہی سمت اختیار کی اور جنوب میں بہت دور جاکر حضرموت اور اُس کے قریب و جوار کے میدانوں میں اقامت اختیار کی۔

جدیس پسر گثر پسر ارم پسر سام عرب الوادی میں آباد ہوا۔

ثمود پسر گثر پسر ارم پسر سام نے عرب الحجر میں اور اُس میدان میں جو وادی القریٰ کے نام سے مشہور ہے اور ملک شام کی جنوبی اور ملک عرب کی شمالی حد ہے رہنا اور قبضہ کرنا پسند کیا۔

عربی جغرافیہ دانوں نے جو کچھ اپنی تصنیفات میں نسبت عرب البایدہ اور اُن کے مقاماتِ سکونت کے لکھا ہے اُس کا انتخاب ذیل میں لکھتے ہیں جن سے اُن امور کی جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں تصدیق ہوتی ہے۔

قال القاضی صاعد ابن احمد اللغوی صاحب قضاء مدینۃ طلیطلۃ ان العرب البایدۃ فکانت امما منقرضۃ کعاد وثمود وطسم وجدیس وقد تقادم انقراضھم فذھبت اخبار عن اخبارھم وانقطعت عنا اسباب العلم باثارھم۔

اما جرھم فھم صنفان جرھم الاولیٰ وکانوا علی اعھد عاد فبادوا ودرست اخبارھم وھم من عرب البایدۃ ابو الفداء۔

سکنت بنو طسم الیمامۃ الی البحرین۔ ابو الفداء

سکنت بنو عاد الرمل الی حضرموت۔ ابو الفداء

وبلاد عاد یقال لھا الاحقاف وھی التی استولت بالیمن وبلاد عمان ابو الفداء

والی عاد اخاھم ھودؑ وھو عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ وھم عاد الاولیٰ کانت منازل قوم عاد بالاحقاف وھی رمال بین عمان

وحضرموت معالم التنزيل -

سكنت ثمود الحجر بين الحجاز والشام - ابو الفداء

كانت مساكنهم بالحجر بين الحجاز والشام الى وادى القرى -

معالم التنزيل -

الحجر بالكسر ثم السكون والراء اسم ديار ثمود بوادى القرى بين المدينة والشام كانت مساكن ثمود وهى بيوت منحوتة فى الجبال مثل الغير تسمى تلك الجبال الاثالب كل جبل منقطع عن الاخر ليطان حولها وقد نقر فيه بيوت ونقر على قدر الجبال التى تنقر فيها وهى بيوت فى غاية الحسن فيها نقوش وطيقان محكمة السنة وفى وسطها بير التى كانت ترد ها الناقة مراصد الاطلاع على اسماء الامكنة والبقاع -

الحجر بكسر الحاء وسكون الجيم فالراء ديار ثمود بوادى القرى بين المدينة والشام مشترك يا قوت الحمرى -

قال ابن حوقل والحجر بين جبال على ليوم من وادى القرى اقول لم اجد ذلك فان بينهما اكثر من خمسة الايام قال وكانت ديار ثمود الذين قال الله عنهم وثمود الذين جابوا الصخر بالواد قال رايت تلك الجبال وما تحت منها كما اخبر الله تعالى وتنحتون من الجبال بيوتا فارهين وتسمى تلك الجبال الاثاليب قال وهى التى ينزلها حجاج الشام وهى عن العلا نحو نصف مرحلة من جهة الشام - تقويم البلدان

ووادى القرى فهو بادية الجزيرة وما كان من يابس الى ايلة مواجهة

والحجاز معارض الارض نتوك وفهو بادية الشام۔

تقویم البلدان

اب کہ ہم نے اس مقام پر ایک مکمل فہرست سات مختلف اقوام عرب البایدہ کے مورثانِ اعلےٰ کی لکھدی ہے اور اُن مقامات کو بھی بیان کردیا ہے جہاں جہاں یہ مختلف قومیں آباد ہوئیں تو اب ہم حتے المقدور اُن شعبوں اور شاخوں کی تفصیل بیان کرینگے جو اُن قوموں سے پیدا ہوئی ہیں"۔

اوّلاً:- بنی کوش۔ کسی عرب کے مؤرخ نے بنی کوش کا کچھ حال نہیں بیان کیا سب کے سب خاموش ہیں اور اس سبب سے اُن کے حالات کچھ دریافت نہیں ہوئے اسی بنا پر جارج سیل اور اُنہیں کی مانند اور انگریزی مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ "کوش کی اولاد عرب میں آباد نہیں ہوئی تھی" نویری نے اپنے جغرافیہ میں ایک یہ فقرہ لکھا ہے "وملك شرجيل على قيس وتميم"۔ اس فقرے میں نویری نے بنی کوش کا ذکر بشمول بنی تمیم کے کیا ہے جس سے وہ حصہ سلطنت کا مراد ہے جو الحارث نے اپنے دوسرے بیٹے شرجیل کو بخشا تھا۔ نویری کے اس فقرے پر رورنڈ مسٹر فارسٹر یہ استدلال کرتے ہیں۔ کہ مشرقی مؤرخ بنی کوش کو عرب کے رہنے والوں میں شمار کرنے سے خاموش نہیں ہیں۔ مگر رورنڈ مسٹر فارسٹر کو اس میں کسی قدر دھوکا ہوا ہے کیونکہ نویری کے فقرے سے کسی طرح یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ بنی قیس اور بنی کوش ایک ہی خاندان میں یعنے عام کی اولاد میں ہیں۔ مشرقی مؤرخوں نے جو بنی کوش کا کچھ ذکر نہیں کیا اس کی وجہ ظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود مشرقی مؤرخ دھوکے میں پڑ گئے ہیں کیونکہ کوش کی اولاد جو

مشرق میں آباد ہوئی تھی اور یقطان کی اولاد جو جنوب کی طرف یمن اور اُسکے گرد و نواح میں آباد ہوئے تھے اُن دونوں کے ناموں میں ایک طرح کی مشابہت پائی جاتی ہے اور اس سبب سے مشرقی مورخوں نے دھوکے کھا کر تمام واقعات و حوادث کو جو بنی کوش سے متعلق تھے بنی یقطان سے متعلق سمجھ لیا اور اُن تمام واقعات اور حوادث کو بنی یقطان کی طرف منسوب کر دیا ہے

مگر رورنڈ[1] مسٹر مارسڑ نے بڑی کوشش اور تلاش سے اور بڑی صحت اور قابلیت

---

[1] یہ ایک عام اور مسلم رائے ہے کہ سیاپسوکلاں کوش نے پہلے دوھصہ وادی القریٰ کا آباد کیا جو دریائے فرات کے ملحق ہے اور یہ رائے بظاہر وجوہات ذیل پر مبنی ہے۔ ضلع مذکور کا "خوزستان" یعنے کوش کے اصلی وطن کے قریب واقع ہونا زمانہ مابعد میں شہر "سبی" اور قوم سبا کا سرحد "خالدیہ" پر موجود ہونا۔ کوشی ناموں اور خاندانوں۔ حویلاہ۔ ستیاہ۔ ددان۔ کا خلیج فارس کے کنارے پر مسلسل سلسلے میں واقع ہونا اور سب سے اخیر یہ کہ اشعیاہ نبی کی کتاب کے دو مقاموں میں کوش اور "سبا" کا سابقہ سابقہ بیان ہونا جس سے پایا جاتا ہے کہ سبا "خوزستان" سے ملحق ہے "راس سندم" کے قریب جس کو بطلیموس نے "راس اسابی" کر کے لکھا ہے ہم مسٹر سیل کے نقشے میں شہر "کشکان" جو توریت کے "کشام" کے مرادف ہے پاتے ہیں۔ بحر عمان کے اسی کنارے پر "عمنان یا "عمان" اور "ثمر" یا "سیب" اور "سوباد" شہروں کے درمیان میں ہم ایک ساحل پاتے ہیں جسکو "پلینی" نے سواحل "حام جو بالفعل "ماحام" کہلاتا ہے اُس خاکنائے کے مقابل کی اطراف پر جو "راس مسندم" میں منتہی ہوتی ہے اور "خلیج فارس" کے دہانے کے اندر شہر اور ضلع "رعماہ" جسکو یونانی ترجمہ توریت میں "رغمہ" اور بطلیموس نے "رغامہ" لکھا پایا جاتا ہے۔ خلیج کے باہر شہر اور ضلع "ددان" یا "دادانہ" کا پتہ ملتا ہے اور توریت میں جو "ددان" چھوٹے بیٹے "رعماہ" کا ذکر ہے اُسکی طرف منسوب کیا جاتا ہے ؛

سے نہایت معتبر اور مستند حوالوں سے اس امر کو بیان کیا ہے کہ بنی کوش درحقیقت
عرب میں خلیج فارس کے کنارے کے برابر برابر آباد ہوئے تھے اور مشرق کنارے
کے مختلف شہروں کے ناموں سے مقابلہ کر کے جو بطلیموس نے لکھے ہیں اپنے
دعوے میں قطعی کامیابی حاصل کی ہے لیکن مصنف موصوف نے جب کہ بنی کوش
کو تمام جزیرہ عرب میں اور خصوصاً یمن اور خلیج عرب کے کناروں پر پھیلا دینے کی
کوشش کی ہے تو اس کی دلیلوں میں ضعف آجاتا ہے اور اسی دھوکے میں پڑ
جاتا ہے جس میں مشرقی مورخ پڑ گئے تھے۔ اور اسی سبب سے یمن تک پہنچنے پر اسکی
بحث بہ درجۂ غایت مہمل اور بے معنی ہو گئی ہے اور صرف ایک ناکارہ سلسلہ خیالی اور
وہمی استنباطوں کا خیال کی جا سکتی ہے۔ اسلئے ہم کہتے ہیں کہ "نمرود" کے سوا جسکا ذکر
تنہا کتاب مقدس میں کیا گیا ہے اور سبب سے ہم کو یہ مستنبط کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے
بھائیوں کیساتھ آباد نہ ہوا تھا باقی اولاد کوش کی جن کے نام۔ سبا۔ حویلاہ۔ سبتاد
رعماہ۔ سبتکاہ تھے اور رعمہ کے بیٹے یعنی شبا اور ددان سب خلیج فارس کے کنارے
کنارے آباد ہوئے تھے۔ ہم اس امر سے انکار کرنا نہیں چاہتے۔ کہ کوش کی اولاد میں
سے کوئی جزیرہ عرب کے اور اقطاع کی جانب بھی چلے گئے ہوں اور وہاں سکونت
اختیار کی ہو۔ مگر ہم نے رونڈ مسٹر فارسٹر کی جن دلیلوں کو لغو اور مہمل اور وہمی اور
خیالی بیان کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مصنف موصوف کو بنی کوش کے مقامات
سکونت کی تحقیق میں کوئی ایسا مقام مل جاتا ہے جس میں ذرا سی بھی مشابہت کوشی
ناموں سے ہجوں میں یا صرف ایک حرف ہی کی مطابقت پائی جاتی ہے تو وہ اس
مقام کو کوش کی اولاد کے متعلق کر دینے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتا حالاں کہ

بنی کوش کے اکثر نام ایسے ہیں جو بنی یقطان کے ناموں سے جو یمن میں رہتے تھے مشابہت نامہ رکھتے ہیں:۔

کتب مقدسہ کے لکھنے والوں نے بنی کوش کی وجہ سے تمام ملک عرب کو بنام ارض کوش یا اتھوپیا کے موسوم کیا ہے اور اس امر کے ثابت کرنے کو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے نہایت مضبوط اور قابلانہ دلیلیں پیش کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "توریت اور انجیل کے تاریخی جغرافیہ کی انگریزی ترجمے میں الفاظ" اتھوپیا" اور "باشندگانِ اتھوپیا" اکثر مستعمل ہوئے ہیں اور اُن کی جگہ عبرانی توریت میں اسم معرفہ کوش واقع ہوا ہے۔ اور یہ لفظ کوش جبکہ کتاب مقدس میں اس طرح مستعمل ہوا ہے تو اس سے ہمیشہ ایشیائی اتھوپیا یعنے عرب مراد لیا گیا ہے نہ کہ افریقی اتھوپیا۔ چند مصرح درسوں کے مقابلہ کرنے سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب اعداد باب ۱۲ درس ۱ میں لکھا ہے کہ مریم اور ہارون نے حضرت موسےٰ سے اُس اتھوپین (عبرانی میں ہے کوشی) عورت کی وجہ سے جس کے ساتھ اُنہوں نے شادی کی تھی گفتگو کی اسلئے کہ انہوں نے ایک اتھوپین (عبرانی میں ہے کوشی) عورت سے شادی کی تھی۔ اور کتاب خروج باب ۲ درس ۱۵ اور ۲۱ سے یہ امر محقق ہے اور ہم حضرت موسیٰ کے دوسرے نکاح کے فرض کرنے کے واسطے کوئی دلیل نہیں پاتے) کہ ایک مدیانی عورت تھی یعنے حضرت ابراہیم کی اولاد میں بنی قطورہ کے سلسلے میں تھی۔ اور یہ امر بھی متحقق ہے کہ "مدیان" یا "مادیان" عرب میں بحر احمر کے کنارے پر ایک شہر یا ملک تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی بی بی ایک عرب کی عورت تھی اور اسی وجہ سے عبرانی لفظ کوشی کا ترجمہ لفظ اتھوپین کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوا ہے

تاوقتیکہ کہ اس سے ایشیائی اتھوپیا یا عربستان مراد نہ لیا جائے۔ کیونکہ افریقی اتھوپیا اس سے کسیطرح مراد نہیں لیا جاسکتا۔" (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب صفحہ ۱۲) ؛

ان دلیلوں سے کسی طرح شک اور شبہ نہیں رہتا کہ کتاب مقدس کے انگریزی ترجمے میں جو لفظ کوش کا اتھوپیا ترجمہ کیا گیا ہے وہ دو مختلف مقاموں پر مستعمل ہوا ہے افریقی اتھوپیا پر اور ایشیائی اتھوپیا یعنے عرب کے ایک حصے پر یا خود ملک عربستان پر اور یہ ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ اس سے کتب مقدسہ کے بہت سے مشکل مقامات کے حل ہونے میں مدد ملے گی ؛

ثانیاً۔ عیلام یا جرہم الاولےٰ۔ جو کہ یہ قوم بنی کوشش کے مقابلہ میں کچھ نام آور نہیں ہوئی اس لئے اُسکی نسبت بجز اس کے کہ بنی کوش سے قرابت رکھتی تھی اور اُنہیں کے ساتھ رہتی تھی اور کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا ؛

ثالثاً۔ لود اس کے تین بیٹے تھے۔ طسم۔ عملیق۔ امیم۔ یہ لوگ بھی عیلام کی اولاد کی مانند کچھ اولوالعزم اور نام آور نہ تھے اس لئے ان کا حال بھی بہت کم معلوم ہے مگر اُن کے آثار ساحل خلیج فارس کے بعض مقاموں کے ناموں میں پائے جاتے ہیں مثلاً دریائے عمنان (جس کو پلینی نے عمان لکھا ہے) اور "ہمائیم" جو امیم کے نام سے جو لود کا تیسرا بیٹا تھا ماخوذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ الف ہائے ہوز سے بدل جاتا ہے۔ جیسے اود سے ہود اور اجر سے ہاجر ہوگیا جو حضرت اسمٰعیل کی ماں کا نام تھا۔ رورنڈ ریورنڈ فارسٹر نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش میں کہ عمان یا ہمنان زمانہ حال کے عمان سے علاقہ رکھتا ہے غلطی کی ہے کیونکہ سفر تکوین باب ۱۹ ورس ۳۸ سے پایا جاتا ہے

کہ حضرت لود کی چھوٹی بیٹی نے (ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جن پر بیٹیوں کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے وہ حضرت لود کی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ لونڈیاں تھیں) بیٹا جنا اور اس کا نام "بن عمی" رکھا گیا جس سے بنی عمون کی قوم مشہور ہوئی حال کا عمان ہمارے نزدیک اسی نام سے علاقہ رکھتا ہے ۔

(۱۰) "عوص" اور "خامسا" حول ارم کے بیٹے تھے۔ ہم ان دونوں کا بیان بالاشتراک کریں گے ان کے آثار بھی آج تک اُن مقامات کے ناموں میں پائے جاتے ہیں جو خلیج فارس کے کنارے پر یا قرب وجوار کے میدانوں میں واقع ہیں۔ مثلاً عول اور حول ایک ہی نام ہیں۔ رورنڈ مسٹر مارسڑ نے عول کے اشتقاق میں بھی مغالطہ کیا ہے کیونکہ اُن کا بیان ہے کہ یہ لفظ حویلاہ کے نام کی ایک مختلف شکل ہے عاوا ولی۔ پسر "عوص" نے بہت شہرت حاصل کی اور اس کی اولاد ایک نامی قوم ہوگئی اور تمام مشرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی۔ اُنہوں نے عالی شان مکان بھی بنائے اور اور قوموں پر حکم بھی حاصل کیا۔ اس قوم کے آدمی اپنی جسامت اور قوت اور شان میں اور قوموں پر فوق لے گئے تھے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے ۔

عرب کے جنوب اور مشرق کے باشندے نسبت اور لوگوں کے تنومند اور قدآور ہوتے تھے۔ اُن کی نسبت مسٹر رورنڈ مارسڑ نے ولکنسڈ صاحب کے سفر نامہ ملک عرب سے یہ بیان نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "میں نے حجاز کے عربوں اور اُن عربوں کی وضع جسمانی میں جو خلیج فارس کے کنارے جانب عرب پر آباد ہیں ایک بڑا فرق مشاہدہ کیا۔ اعراب سکنائے ساحل اور خلیج فارس کا حلیہ یہ ہے کہ اُنکے چہرے

قریب قریب بیضوی کی ہیں سر کے بال عموماً سیاہ بالکل مُنڈے ہوئے ہوتے ہیں بھویں بھی سیاہ ہیں اور کھال چمکتی ہوئی ہے اور ہندوستان کے باشندوں کی نسبت اُن کا رنگ کسی قدر کھلا ہوا ہے سواحل بحرِ احمر کے قریب کے باشندے لاغر اندام اور پستہ قد ہوتے ہیں مگر قوی ہیں۔ چہرہ کسی قدر لمبا رخسارے بے گوشت کے اور سر کے بالوں کو دو لمبی زلفوں کے سوا جو دونو طرف ہوتی ہیں اور جنکی وہ نہایت درجہ خبرداری کرتے ہیں اس قدر بڑھاتے جاتے ہیں کہ کمر تک آجاتی ہیں اُن کا رنگ کسی قدر کھلا ہوا ہوتا ہے ؛

"بلیسی سے چار پانچ منزل آگے جنوب اور مشرق کی جانب سرما کے موسم میں عرب "دواسر" رہتے ہیں اور گرمیوں کے موسم میں بخہ کے سرسبز چراگاہوں میں چلے جاتے ہیں جسکی سب سے قریب سرحد صرف آٹھ منزل ہے۔ یہ لوگ گھوڑے نہیں رکھتے مگر لڑائی میں دابیوں کی سمک کے لئے تین ہزار شتر سوار بھیجتے ہیں۔ اعراب "دواسر" طویل القامت اور قریب قریب سیہ فام ہوتے ہیں (سفر نامہ ملک عرب ضمیمہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۵) مگر یہ عجیب اختلاف قد درازی اور رنگ میں گرد و نواح کی قوموں سے کچھ اعراب "دواسر" ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے خلیج فارس کے عربوں میں یہی بات پائی جاتی ہے اور اُن اطراف میں کبھی جہاں کہ علماء کے نزدیک شہر سبا آباد تھا۔ کرنیل حسینی کا بیان ہے کہ خلیج فارس کے عرب خوش ہیئت ہوتے ہیں اور طویل القامت اور سیہ فام ہونے میں مشہور ہیں اور اُن دو نباتوں میں اقوام خلیج عرب سے بہ درجہا اختلاف رکھتے ہیں (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ صفحہ ۲۱) مگر رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے

خیال کرنے ہیں کہ صرف بنی کوش ہی طویل القامت تھے غلطی کی ہے کیونکہ تمام قومیں جو خلیج فارس کے کنارے پر رہتی تھیں اور جن کو ہم نے عرب البایدہ کے ذیل میں بیان کیا ہے نہایت بلند قامت تھیں۔ زمانہ حال تک بھی خلیج فارس پر ہم دو قسم کے آدمی پاتے ہیں جو درازی قد میں برابر ہیں مگر رنگ میں مختلف ہیں ایک تو سیاہ رنگ کے ہیں اور دوسرے ذرا اُجلے رنگ کے ہیں۔

رورنڈ مسٹر فارسٹر کتاب اشیاء نبی کی کتاب ۴۵ درس ۱۴ کی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ "خداوند چنیں مے فرماید کہ معمول مصر و تجارت حبش و اہل سبا کہ مردمان بلند قد اند بتو عبور نمودہ از آن تو خواہند بود" اور اس بات کو کہ بنی کوش سب دراز قد تھے۔ اسی درس پر مبنی کرتے ہیں۔ مگر صاحب موصوف نے اس میں دو وجہ غلطی کی ہے۔ اول اس وجہ سے کہ "جملہ مردمان بلند قد" سے خواہ نہ خواہ یہ مُراد لینی کہ وہ لوگ طویل القامت تھے محض غلط ہے کیونکہ اُن لفظوں سے یہ مُراد ہے کہ وہ لوگ معزز اور اشراف تھے چنانچہ عربی ترجمہ جو اشعیاہ نبی کی کتاب کا ہے اُس میں یہی معنی لئے گئے ہیں اور اُس کی عبارت یہ ہے ھذہ یقولھا الرب تعب مصر و تجارت الحبش و سبا یم رجال اشراف یعبرون الیک و دوم اس وجہ سے کہ باشندگان سبا ست کہ عبارت مذکور کا کوش کی اولاد میں ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ کتب مقدسہ میں بنی سبا کا اطلاق اور قوموں پر بھی ہوا ہے مثلاً بنی سباجن کا ذکر ایوب کتاب باب اور درس ۱۵ میں آیا ہے اور جو دریائے فرات کے بنی سبا سے ہر طرح مشابہت رکھتے ہیں اور بہ لحاظ اپنے آبائی نام کے ہجوں کے قاعدے کے موافق سبا پسر کلاں کوش

کی اولاد نہیں ہے بلکہ اُن تین سباؤں میں سے کسی نہ کسی کی اولاد بیان کئے گئے ہیں جن کو حضرت موسیٰ نے منجملہ اُن سو قبیلوں کے بیان کیا ہے جنہوں نے ملک عرب کو یکے بعد دیگرے آباد کیا تھا۔

اس قوم کی ہدایت کے لئے خدا تعالےٰ نے ایک نبی جن کا نام ہود تھا اور جن کا لقب سفر تکوین باب ۱۱ درس ۱۴ میں عبر آیا ہے مبعوث کیا تاکہ خدائے برحق کی عبادت کی ترویج اور بتوں کی پرستش کا استیصال کریں۔ لیکن جب کہ اُن لوگوں نے ان کے احکام اور ہدایت سے سرتابی کی تو خدا تعالیٰ کا قہر جوش میں آیا اور تین برس کا قحط اُن پر پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس بات سے آگاہ ہو گئے کہ خدا کے پیغمبر کے احکام سے سرتابی کی یہ سزا ہے۔ اس پریشانی کی حالت میں حضرت ہود پھر تشریف لائے اور بت پرستی ترک کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی از سر نو ہدایت کی اور اُس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر تم نے ایسا کر دگے تو خدائے رحیم پر ان رحمت نازل کرے گا مگر وہ اپنی گمراہی پر ثابت قدم رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر ایک سخت طوفان آندھی کا جو اُس کے غضب کی نشانی تھی نازل کیا یہ طوفان آندھی کا سات رات اور آٹھ دن تک تمام اُس ملک میں ایسے زور شور سے جاری رہا کہ ہزارہا آدمی ہلاک ہو گئے اور تمام قوم کا باستثنائے ان چند اشخاص کے جنہوں نے حضرت ہود کا کہنا مان لیا تھا قریباً استیصال کلی ہو گیا اور جو لوگ بچے آخر کو حضرت ہود پر ایمان لے آئے یہ واقعہ سنہ دینوی کی اٹھارھویں صدی میں یا یا ئیسویں صدی قبل حضرت عیسےٰ کی پیدائش کے واقع ہوا تھا۔

جھوٹی روایتیں جو قوم عاد کی نسبت مشہور ہیں

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ قوم عاد کے ہر شخص کا قد بارہ ارش لمبا تھا یعنے اُس زمانے کے جو لوگ ہیں اگر اپنے دونوں ہاتھوں کو سیدھا پھیلا دیں تو اُن کی لمبائی سے بارہ گنہ زیادہ لمبا قد قوم عاد کا تھا۔ بعض کتابوں میں اُن کے قد کے لمبان کا اُس سے بھی زیادہ مغالبہ کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اُن کی قوت کا یہ حال تھا کہ چلنے میں اُن کے پاؤں زانوں تک زمین میں دھنس جاتے تھے۔

اُنھوں نے جو اُس ریگستان میں کوئی محل بنایا تھا اُس کی نسبت بھی بہت زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور عاد ثانی کی اولاد کے قصہ کو اس قوم کے ساتھ عاد والے کی قوم سے غلط غلط کر کے اُس خیالی باغ کو جس کا نام ایشیائی مورخوں نے "ارم" قرار دیا ہے اسی قوم کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس محل اور باغ کی زمین میں لعل اور یعقوت بچھے ہوئے تھے اور اُس کی دیواریں سونے اور چاندی کی تھیں اور درخت زمرد اور یاقوت اور نیلم اور ہر قسم کے بیش بہا جواہروں سے بنائے گئے تھے اور زعفران بجائے گھاس اور عنبر بجائے مٹی کے تھا۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص اپنا اونٹ ڈھونڈتا ہوا وہاں چلا گیا اور بے شمار جواہرات وہاں سے رول کر اپنی جھولی میں بھر لیا اور جب معاویہ ابن ابی سفیان نے اُس جگہ

دوبارہ جانے کا اور اُس جگہ کے تلاش کرنے کا حکم دیا تو بہت سی تلاش کرنے کے بعد بھی وہ جگہ پھر نہ ملی خلیفہ نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے اُس کو انسان کی آنکھوں سے پوشیدہ کر لیا ہے ؛

بعض کتابوں میں حضرت علی مرتضیٰ کی نسبت اور اور بعض معتبر اشخاص کی نسبت ایک جھوٹا اتہام کیا اور لکھا ہے کہ اُنہوں نے یہ بات کہی کہ خدا تعالیٰ نے اُس باغ اور محل کو جو قوم عاد نے تعمیر کیا تھا دُنیا سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے اور قیامت کے دن وہ بھی منجملہ اور آسمانی بہشتوں کے ایک بہشت ہو گی ؛

عاد اولےٰ کی قوم کی بنائی ہوئی عمارات کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس قوم نے کوئی عمارت قابل شہرت نہیں بنائی تھی اُنکی عمارتیں مثل اور معمولی عمارتوں کے بڑی اور چھوٹی ہر قسم کی تھیں ؛

بہت سے مصنفوں اور مورخوں نے جو قوم عاد اولےٰ کی طرف عمارات عالی شان بنانا منسوب کرنے میں غلطی کی ہے اُس کی وجہ ظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُنہوں نے قرآن مجید کی اس آیت کے جو ذیل میں مندرج ہے معنے سمجھنے میں غلطی کی ہے اور وہ آیت یہ ہے ؛ الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد

یعنے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کسطرح پر کیا تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ جو ارم کی اولاد تھے اور ایسے قد آور تھے کہ اُن کی مانند شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے تھے ؛

لفظ "ذات عماد" سے جو اُن کا قد آور ہونا مراد لیا گیا ہے اُس کا ثبوت دوسری آیت سے ہوتا ہے جو ذیل میں لکھی جاتی ہے اور جس میں اُن کے مُردہ پڑے ہوئے جسموں کو درختوں کے اُکھڑے ہوئے تنوں سے مشابہت دی ہے اور وہ آیت یہ ہے:

و اما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ سخرھا علیھم سبع لیال وثمانیۃ ایام حسوما فتری القوم فیھا صرعی کانھم اعجاز نخل خاویۃ۔

تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے دو امر کا بخوبی ثبوت ہوتا ہے ایک یہ کہ "ارم" سے مراد بنی ارم ہے اور ارم عاد کا دادا تھا جسطرح کہ بنی ہاشم اپنے دادا ہاشم کے نام سے مشہور ہیں اسی طرح قوم عاد اپنے دادا ارم کے نام سے مشہور تھی اور عاد ارم کہلاتی تھی دوسرے یہ کہ لفظ ذات العماد سے اُن کا دراز قد اور قوی ہونا مراد ہے جسطرح کہ بعض ملکوں کے لوگ دراز اور قوی ہوتے ہیں کوئی خاص عجیب بات اُن میں نہیں تھی چنانچہ تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی میں اسطرح پر لکھا ہے۔

الم تر "تعلم یا محمد" کیف فعل ربک بعاد ارم "ھی عاد الاولی فارم عطف بیان او بدل منع الصرف للعلمیۃ والتانیث" ذات العماد "ای الطوال التی لم یخلق مثلھا فی البلاد فی بطشھم وقوتھم جلالین"۔

الم تر کیف فعل ربک بعاد "یعنی اولاد عاد بن عوث بن آدم بن سام بن نوح قوم ھود سموا باسم ابیھم کما سمی بنو ھاشم باسم آدم عطف بیان لعاد علی تقدیر مضاف ای سبط آدم "ذات العماد" ای ذات

البناء الرفیع الطویل والرفعۃ والثبات" بیضاوی"

زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا یہ دستور ہے کہ اس قسم کے پرانے قصونکو ایک مذہبی قصہ بنا لیتے ہیں اور اس میں عجیب وغریب باتیں ملاکر اُس کو تعجب انگیز اور حیرت خیز کر لیتے ہیں جسطرح کہ ملٹن شاعر نے اپنی کتاب پریڈائز لاسٹ کو ایک عجیب قسم کا مذہبی قصہ بنا لیا ہے اسی طرح زمانۂ جاہلیت کے عربوں نے بھی قوم عاد کا ایک قصہ گھڑ لیا ہے جس میں بیان کیا ہے کہ قحط کے دنوں میں قوم عاد نے تین شخص مکہ میں اس غرض سے بھیجے تھے کہ خدائے تعالیٰ سے مینہ برسنے کی دعا مانگیں اُن تینوں میں سے ایک کا نام لقمان تھا وہ تو مسلمان تھا اور باقی دو کافر تھے لقمان کی عمر سات گدوں کی عمر کے مجموعہ کے برابر عمر تھی اور اسی سبب سے لقمان بڑی عمر ہونے میں ضرب المثل ہو گیا ہے عام لوگوں کا خیال ہے کہ گد کی عمر ہزار برس کی ہوتی ہے اور اس لئے لقمان کی عمر اُس وقت سات ہزار برس کی تھی اس قسم کے اور بہت سے لغو اور بیہودہ قصے عاد کی قوم کی نسبت جاہلوں نے بنا لئے ہیں جن پر اہل علم کو متوجہ ہونا یا مذہبی اعتراضات کی بنا اُن قصوں کو قرار دینا نہایت لغو اور بیہودہ بات ہے ؛

سادس ساد جدیس ساباد ثمود جسکو عاد ثانی کہتے ہیں یہ دونوں گھر پسر ارم بن سام بن نوح کی اولاد تھے جن کا بیان ہم ایک ساتھ کرتے ہیں ؛

جدیس کا حال بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوا کہ بیابان میں آباد ہوا تھا اور اسکی اولاد بحد انقضائے عرصہ دراز کے مثل دیگر اقوام صحرانی کے

معدوم ہو گئی ؛

اولاد ثمود نے بہت بڑا نام پیدا کیا اور جلد ایک زبردست قوم ہو گئی اور اُس حصۂ ملک پر جو الحجر کے نام سے مشہور ہے اور اُس میدان پر وادی القریٰ کہلاتا ہے اور جو ملک شام کی جنوبی اور عرب کی شمالی حد بناتا ہے قبضہ کر لیا ہے قرآن مجید میں اس قوم کا بھی چند جگہ ذکر آیا ہے۔ اُنہوں نے پہاڑیوں کو کھود کر اُنکے اندر اپنے گھر بنائے تھے اور نقش و نگار سے مرتب کئے تھے جو اثالیبا کے نام سے مشہور ہیں۔ عرب کے لوگ اور چند غیر قوم کے لوگ جنہوں نے عرب میں سفر کیا ہے اُن پہاڑی گھروں کی جو پرانے زمانے کی باتوں کی تلاش کرنے والوں کو تشفی دیتے ہیں۔ اور اُن قوموں کے حالات جنہوں نے اُن کو بنایا ہے بتلانے کو موجود ہیں شہادت دے سکتے ہیں اسی طرح ان پہاڑی گھروں سے قوم ثمود کی تاریخ کے اُس حصہ کی جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے : بخوبی صداقت پائی جاتی ہے کچھ زمانے کے بعد یہ قوم بھی بُت پرستی کی طرف مائل ہو گئی اس واسطے اُنکی فہمائش و ہدایت کے واسطے خدا تعالےٰ نے حضرت صالح بن عُبید بن اُسف بن ماشج بن عبید بن جادر بن ثمود کو معبوث کیا بعض لوگ اُن پر ایمان لائے اور بہتوں نے اُن کا یقین نہیں کیا اُن لوگوں نے حضرت صالح سے کہا اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی بتلا حضرت صالح نے جواب دیا کہ اے میری قوم یہ خُدا کی اونٹنی تمہارے لئے ہے نشانی ہے اُس کو چھوٹا پھرنے دو تاکہ خدا کی زمین پر چرتی پھرے اور اُسکو کچھ ایذا مت پہنچاؤ مبادا تم پر اُس کے عوض عذاب نازل ہو اِس فہمائش کے سبب کچھ عرصہ تک اُن لوگوں نے اونٹنی کو پھرنے دیا اور کچھ ایذا نہیں پہنچائی

کچھ عرصہ کے بعد وہاں قحط واقع ہوا اور اُس خشک سالی میں پانی کا بھی قحط ہو گیا پانی نہیں ملتا تھا اور جہاں کہیں تھوڑا سا بھی پانی ہوتا تھا تو اونٹنی اپنی طبعی خاصیت سے جو خدا نے اونٹ میں پیدا کی ہے پانی کو تلاش کر لیتی تھی اور پی لیتی تھی یا خراب کر دیتی تھی اور لوگ اُس کو روک نہ سکتے تھے حضرت صالح نے کہا کہ ایک دن اونٹنی کو پانی پی لینے دیا کرو اور کوئی اس کا مزاحم نہ ہو اور دوسرے دن تم لوگ پانی لیا کرو اور اونٹنی کو وہاں نہ جانے دیا کرو۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد مختلف فرقوں کے سرداروں نے جو اُس زمانے کے کافروں کے فرقے تھے حضرت صالح کو مار ڈالنے کا منصوبہ کیا مگر جب وہ اپنے اس بدمنصوبہ پر کامیاب نہ ہوئے تو اُنہوں نے غصہ میں آکر اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اُس وقت حضرت صالح نے اُن سے کہا کہ تین دن تک تم اپنے مکانوں میں چین کر لو۔ بعد اُس کے تم ہلاک ہو گے۔ خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ جب ہمارے حکم کی تعمیل ہونے کو ہوئی۔ تو ہم نے صالح کو اور اُن لوگوں کو جو اُن پر ایمان لائے تھے۔ یہ سبب اپنے رحم کے اُس روز کی ذلت سے بچا لیا۔ آفت جو اُن پر آئی تھی وہ یہ تھی کہ آسمان سے ایک خوفناک آواز آئی جو غالباً۔ رعد اور زلزلوں کی اور اُسی قسم کی آفت ارضی سماوی کی آواز تھی۔ صبح کو وہ لوگ اپنے مکانوں میں مردہ اور سرنگون پڑے ہوئے تھے گویا کہ اُن مکانوں میں رہتے ہی نہ تھے۔ یہ واقعہ اُسی زمانے میں واقع ہوا تھا جب کہ سدوم اور گمارہ اور اوماب اور زہائین شہر آسمانی آگ سے جلائے گئے تھے یعنے ۲۱۰۰ دینوی یا ۱۸۹۷ قبل حضرت مسیح کے۔

جھوٹی روایتیں جو قوم ثمود کی نسبت مشہور ہیں

مفسرین اور مورخین کا بیان ہے کہ کفار نے حضرت صالح سے اُنکی رسالت کے ثبوت میں اس معجزے کی درخواست کی تھی کہ اگر اس پہاڑی میں سے ایک اونٹنی پیدا ہوا ور بجز و پیدا ہونے کے ایک سُرخ بالوں کا بچہ جنے اور وہ بچہ اُسی وقت ہمارے سامنے بڑی اونٹنی کے برابر ہو کر چرتا پھرے اور ہم اُس اُونٹنی کا دودھ پئیں تب ہم ایمان لائیں گے۔

یہ روایت محض مساختہ اور مصنوعی ہے۔ اس روایت کے موضوع کہنے سے اس وقت ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم امکان معجزے سے انکار کریں اور اس پر بحث شروع کریں۔ بلکہ ہم اسوقت صرف سادی طرح سے اس روایت کو اس لئے موضوع کہتے ہیں کہ اُس کی صحت پر کوئی سند نہیں ہے اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ایسے عجیب واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ضرور ہوتا یا کسی مستند حدیث سے اُس کا ثبوت پایا جاتا۔ اسی طرح یہ بھی مصنوعی بات ہے کہ اُس اونٹنی سے انسان اور حیوان دونو ڈرتے تھے اور وہ اونٹنی قوم ثمود کے تمام چشموں اور حوضوں کا پانی ایک گھونٹ میں پی کر سب کو سکھا دیتی تھی۔ کیونکہ وہ ملک ایسا تھا جہاں کثرت سے پانی میسّر ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

اسی طرح یہ ایک لغو روایت ہے کہ اگرچہ قوم ثمود کو بتلایا گیا تھا کہ اونٹنی کا قتل کرنا اُن کی ہلاکت کا باعث ہوگا لیکن حضرت صالح نے اُن سے یہ بھی

پیشینگوئی کی تھی کہ تمہاری قوم کا ایک لڑکا جسکا حلیہ ایسا ایسا ہوگا اس اونٹنی کو مار ڈالے گا اور اس طرح پر تمہاری ساری قوم پر تباہی اور بربادی آویگی اس تباہی سے بچنے کے لئے جسکی پیشین گوئی حضرت صالح نے کی تھی لڑکوں کو مار ڈالنا شروع کیا جو لڑکا پیدا ہوتا تھا۔ اور اُس میں اُس نشانی کا شبہ ہوتا تھا جو حضرت صالح نے بتلائی تھی تو اُس لڑکے کو مار ڈالتے تھے۔ مگر وہ لڑکا جس کے ہاتھ سے اُس قوم کا برباد ہونا مقدر میں تھا کسی نہ کسی طور سے بچ گیا اور مارا نہیں گیا جبکہ وہ جوان ہوا تو آخر کار اُس نے اس اونٹنی کو مار ڈالا۔

اس طرح حضرت صالح کے مخالفوں کے مارے جانے کی نسبت ایک یہود روایت آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت صالح کے مخالفوں نے جب اُن کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ اُن پہاڑوں کی گھاٹیوں میں گئے جہاں حضرت صالح آیا جایا کرتے تھے اس غرض سے کہ کوئی عمدہ کمینگاہ تلاش کر کے اختیار کریں۔ خدا تعالےٰ نے ایک پہاڑ کو زمین پر سے بہت اونچا اٹھا لیا اور جہاں سے وہ پہاڑ اُٹھا تھا وہاں ایک غار ہو گیا۔ حضرت صالح کے مخالفوں نے اُس غار کو اپنی کمینگاہ کے لئے پسند کیا اور جب کہ وہ اُس غار کے اندر جا کر چھپے تو خدا تعالیٰ نے اوپر سے اُن کے سروں پر پہاڑ کو چھوڑ دیا اور سب کے سب ایک لمحے میں کچل کر مر گئے۔

اگرچہ ہم نے اس مقام پر عرب البایدہ کا حال کسی قدر تفصیل کیساتھ بیان کر دیا ہے مگر اُن کا ایک شجرہ بھی اس مقام پر لکھتے ہیں جس سے تمام بیانات کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

نوح

سام حام

عیلام لود ارم

کوش

سبا حویلہ سبتاہ رعماہ سبتکا

جوھرالاولی

طسو عملیق اسلیو

اعوص حول کشرا مش شبا دوان

اعاقا نمود جدیس

جلدوں عبیل ماشیح اسنہ عبیل ساح



دوم

عرب العاربہ یعنے ٹھیٹ عرب

عرب العاربہ یقطان بن عیبر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد میں ہیں۔ بعض مورخوں کا یہ قول ہے کہ عرب البایدہ اور عرب العاربہ دونوں یقطان کی اولاد ہیں اور اس لئے عربوں کو وہ بجائے تین قوموں کے صرف دو قوموں پر منقسم کرتے ہیں ؛ یعنے عرب العاربہ اور عرب المستعربہ ؛

تقریباً تمام مورخوں کی رائے ہے کہ کتب حمنی موسیٰ میں جو یقطان نام آیا ہے وہی ایک نام ہے جس کو عرب قحطان کہتے ہیں اور یونانی انجیلوں میں اسکو جو "قطان" کرکے لکھا ہے اور اسی شخص کی اولاد عرب میں آباد ہوئی ہے۔

رورنڈ مسٹر فارسٹر نے نہایت عجیب اور مستحکم دلیلوں سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ان تینوں مذکورہ بالا ناموں سے ایک ہی شخص مراد ہے اور یہ کہ یہی شخص یقطان عرب میں آباد ہوا تھا چنانچہ وہ اپنی کتاب جغرافیہ عرب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "کتاب بطلیموس میں بھی ہم یقطان کا نام اور علانیہ قوم بنی یقطان کو پاتے ہیں کے قحطان اور انجیل کے جو قطان کے بالکل مشابہ ہے (صفحہ ۸۰)

ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ "اس قومی روایت کا قدیم اور عام

ہونا جو عربوں کے قحطان کو انجیل کے جوقطان سے مشابہ کرتے ہیں ہر ایک پڑھنے والے پر روشن ہے" (صفحہ ۸۸) ؛

ایک اور مقام پر اُنہوں نے لکھا ہے کہ" یہ امر قحطان ایک خاندانی نام کی صرف مختلف شکلیں ہیں خود عرب ہی ہمیشہ سے بیان کرتے آئے ہیں۔ اور اُن کی عادت سے بھی جس سے وہ حرفوں کو تبدیل کر لینے ہیں (معرب کر لینے ہیں) نہایت درجہ مبلان رکھتے ہیں۔ یہ نتیجہ قرار واقعی نکل سکتا ہے" صفحہ ۸۸) ؛

ایک اور مقام پر یہ لکھا ہے کہ" قدیمی قوم سبا کی دار السلطنت مشہور بہ مارب میں اعراب یقطان سے جس کی مشابہت توریت کے یقطان کے ساتھ ہی یقطانی نام حویلاہ کے وقوع سے از سر تو ثابت اور مسلم ہو گئی ہے" صفحہ ۹۰) ؛

رورنڈ فارسٹر نے مسعودی کے اِس قول پر کہ بنی سعد اور بنی قحطان بہت قدیم زمانے سے عرب کی قوموں میں مشہور چلے آتے ہیں، یہ لکھا ہے کہ تاریخ عرب قوم عظیم قحطان کی قدامت کے باب میں آواز دیرہی ہے اور یہ ایک ایسی آواز ہے کہ ایک طرف قدیمی عام قومی روایت اُسکی تائید کرتی ہے اور دوسری طرف شاید اس سے بھی زیادہ مضبوط شہادت متوسط اور جنوبی عرب کے موجودہ مقاموں اور آبادیوں کے ناموں سے اس کی حامی ہے" صفحہ (۷۹) ؛

بحر حال امر مذکورہ سے نہ تو مشہور اور معروف سیاح مسٹر برٹن ہروٹ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا بیان ہے کہ اسی یقطان کی اولاد عرب میں آباد ہوئی تھی اور نہ سر ولیم میور انکار کرتے ہیں ؛

---

[1] ... کتاب کے پڑھنے والے الفاظ" رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کو دیکھ کر جو مسٹر برٹن ہروٹ

یقطان کی اولاد کے آباد ہونے کی جگہ نسبت توریت میں یہ لکھا ہے کہ "انکی

کے نام کے بعد لائے گئے ہیں بلا شک متحیر ہوں گے اور اس حیرت کے رفع کرنے کے واسطے میری دانست میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ نہایت ذی فہم و ذی علم گاڈفری ہیگنس صاحب کی کتاب کی کسی قدر عبارت کا ترجمہ اس جگہ لکھ دیا جاوے "مشہور و معروف سیاح برق ہرو ط جس نے دار العلوم کیمبرج میں تعلیم پائی تھی ایک نہایت پُر غور تحقیق کے بعد اور خوب سوچ سمجھ کر مسلمان ہو گیا اور اپنے عیسائی دوستوں کے مجمع میں بحالت اسلام انتقال کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو مسائل دین اسلام کی تلقین بمقام حلب ایک آفندی نے کی تھی اور اُسی نے اُس کو مسلمان کیا اور اُس نے وہاں علانیہ اسلام کا اقرار کیا اور جب کہ بہ نیتِ حج رواند ہوا تو مکہ کے قریب اپنے مذہب اور مسائل اسلام کی واقفیت میں اُس کو سخت امتحان دینا پڑا جس کے باعث وہ ہمیشہ حاجی کے لقب کا دعوای کرتا رہا اُس کی نو مسلمی سچی اور صاف باطن معلوم ہوتی ہے اگرچہ میں خیال کرتا ہوں کہ اُس کے عیسائی دوستوں سے علی العموم پوشیدہ تھی ۔

میں اس بات کے بیان کرنے سے نہایت خوش ہوں کہ میں ایک شریف آدمی سے جو بالفعل [illegible] سے برٹش گورنمنٹ میں ایک معزز عہدے پر مامور ہے واقفیت رکھتا ہوں مگر اس کا نام ظاہر کرنے کا میں مجاز نہیں ہوں ان صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مسٹر برق ہرو ط کے انتقال سے تھوڑے عرصہ پہلے میں وہاں موجود تھا۔ اور مسٹر برق ہرو ط نے مجھے نہایت سنجیدگی کے ساتھ یقین دلایا کہ میں درحقیقت مسلمان ہوں اور اسی حالت میں مرنے کی آرزو ہے

آبادی بیشا سے لے کر جہاں تک کہ توستقار تک جو مشرق میں ایک پہاڑی ہے چلا

اس کا گمنام سوانح عمری لکھنے والا اپنی کتاب میں جو بعد اُس کے مشتہر ہوئی اس موت کا حال بیان کرتا ہے مگر اُس کے مذہب کے بارے میں کوئی لفظ منہ سے نکالنے سے احتیاط پر ہیز کرتا ہے۔ غالباً اُسکو معلوم ہوگا کہ اگر حق بات زبان سے نکلی تو پادریوں کے بدنام اور رسوا کرنے کی وجہ سے میری کتابوں کی فروخت میں ہرج واقع ہوگا۔ لیکن ایک فقرہ جو میرے بیان کی تائید کے واسطے کافی ہے اُس کی زبان سے نکل گیا ہے۔ وہ اُسی شب کو پونے بارہ بجے بغیر افسوس دواویلا کرنے کے مر گیا۔ تجہیز و تکفین اُس کی وصیت کے موافق پر طریق اسلام کی گئی اور اس معزز رتبے کا جو وہ دیسی لوگوں کی آنکھوں میں رکھتا تھا کما حقہ لحاظ کیا گیا اگر وہ فی الحقیقت مسلمان تھا تو ضرور اُس نے مسلمانوں کی شرع کے موافق تجہیز و تکفین کی استدعا کی ہوگی اور یقیناً اگر عیسائی اس کی وصیت پر لحاظ نہ کرتے تو حکام یہ مجبوری ان سے کراتے یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ عیسائیوں کا مسلمانوں کو ایک ایسے نومسلم کے شرف سے محروم رکھنا گوارا کرتے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اُنہوں نے اُسکو بلا تکلف قنصل انگریزی کی نگرانی میں اور اُسکے ہم وطنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا۔ جنکو کہ پورا پورا موقع اُس کی تجدید مذہب کیواسطے اپنی لیاقتیں صرف کرنے کا ملا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کی بلا وجہ تقلید و تائید کرنے میں اسکو کوئی غرض مظنون نہ تھی۔ بلکہ برخلاف اس کے اُن عیسائیوں سے جن کی طرف سے وہ مامور تھا اور جن کی وجہ سے اُس کا گذارا ہوتا تھا اُس کو مخفی رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

"اگر اُس کی سوانح عمری لکھنے والے کا اعتبار کیا جائے تو وہ اعلےٰ اصول اور

جاوے تو وہاں تک تھی۔ مسٹر برق ہروڈ کے نزدیک میشا اور موزہ جو یقطانی
قوم سبا کا خلیج عرب کے دہانے کے نزدیک ایک بندرگاہ تھا ایک ہی مقام
ہے۔ اور سفار سے جبلی یعنے پہاڑی حصہ یمن کا جہانکہ بقول بطلیموس شہر سفار
اور قوم سفاریہ آباد تھی مراد ہے۔ لیکن رورنڈ فارسٹر اس مقام کو جسکو مسٹر
برق ہروڈ صاحب نے بیان کیا ہے اور جو وسعت میں قریب ڈیڑھ سو میل کے
ہے۔ ایک نہایت کثیر قدیمی خاندان کی حدود کے ایک نہایت معتدلانہ
اندازے کیواسطے محض غیر مکتفی خیال کرتے ہیں اور نہایت ضعیف دلائل سے
اُنکو بحد کے پہاڑوں تک پھیلا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے
کہ مقدس کاتب توریت نے یقطان کی اولاد کی آبادی کی کچھ حد مقرر نہیں کی
ہے بلکہ وہ سمت بتلائی ہے جہاں وہ جاکر آباد ہوئی تھی:۔

یقطان کے تیرہ بیٹے پیدا ہوئے۔ المودا۔ شلف۔ حضرماوت۔ یرح۔ ہدورام
اوزال۔ وقلا۔ عوبال۔ ابیمائل۔ شبا۔ اوفیر۔ حویلاہ۔ یوباب۔ تمام قوم عرب العاربہ
کی مع اپنی مختلف شاخوں اور شعبوں کے اشخاص مذکورہ بالا کی اولاد میں ہیں
جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے:۔

المودا۔ اس شخص کا خاندان یمن یا عربیا المعمورہ میں اور اُس ضلع میں جو

بہترین چال و چلن کا آدمی معلوم ہوتا ہے منجملہ اور پسندیدہ کیفیتوں کے جو اس
مرتد کافر کی بابت جسطرح کہ اُس کو عیسائی لوگ کہیں گے رقوم ہوئی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ
اُسنے اپنی موروثی جائیداد قیمتی دس ہزار روپے کو اپنی ماں کے نان و نفقہ واسطے دیکر
اپنے آپکو محض مفلس و قلاش بنا دیا تھا" (ہیگنس اپالوجی صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء)

بحرین تک چلا گیا ہے آباد ہوا اور اُس المودائی سے مطابقت رکھتا ہے جس کو بطلیموس نے یمن کی درمیانی قوم لکھا ہے ؛

شلف۔ یہ شخص کود ذامس کے مغربی حصّے میں یا اُس وسیع میدان میں جو کاظم اور مدینے کے مابین واقع ہے آباد ہوا۔ یہ قوم بطلیموس کی بیان کی ہوئی سالفی قوموں سے مطابقت رکھتی ہے۔ عربوں میں یہ قوم بنام بنی سالف مشہور رہے۔ جو عبرانی نام شلف کی یونانی شکل ہے ؛

حضرماوث۔ اس قوم نے اپنی سکونت کے واسطے وہ زرخیز قطع جو خلیج عرب کے برابر برابر پھیلا ہوا ہے اور جو اس قوم کے نام (حضرموت) سے آجتک مشہور رہے اختیار کیا۔ اس قوم کے لوگ یونانی اور رومیوں کے ہاں اپنی وسیع تجارت اور فن جہازرانی اور لڑائی میں جرأت اور بہادری کیلئے مشہور تھے ؛

ہدورام۔ یرح کا حال یہاں چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ہم اُس کو اخیر پر ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہدورام کی اولاد نے مشرق کی سمت اختیار کی اور اُسی نواح میں آباد ہوئی۔ قصبہ ہدرمہ اس قوم کی بہت سی یادگاروں میں سے موجود ہے۔ ابولفدا کا بیان ہے کہ صوبہ دارقرا مطلب کی بنا اسی قوم سے ہوئی ہے ؛

اوزال۔ یہ خاندان اوزال میں جس کو اب صنعا کہتے ہیں اور جو سرسبز اور شاداب صوبہ یمن میں واقع ہے آباد ہوا (حزقیل باب ۲۷ درس ۱۹) ؛

وقلاہ۔ یہ بھی قوم یمن میں آباد ہوئی اور ذوالخلاعہ جو یمن کی ایک قوم ہے اور جس کا ذکر پوکاک صاحب نے کیا ہے اسی کی اولاد میں سے ہے ؛

عوبال۔ اس کا نشان عرب میں نہیں پایا جاتا مگر رورنڈ فارسٹر صاحب کا بیان ہے کہ یہ قوم افریقہ کو چلی گئی ؛

ابیمائیل۔ بہت سے آثار جو مختلف اشخاص نے بیان کئے ہیں اس قوم کے بنی سالف اور حجاز کے قرب وجوار میں متوطن ہونے کے شاہد ہیں ؛

شبا۔ اگرچہ یہ بھی جنوب کی جانب گیا اور یمن میں سکونت پذیر ہوا مگر یہ وہ شبا نہیں ہے جس نے یمن میں خاندانِ شبا کی سلطنت قائم کی تھی اور شہر مارب اور شہر سبا کو بنایا تھا۔ اکثر مورخ عرصہ دراز تک اس غلطی میں پڑے رہے کیونکہ وہ دوسرا شبا عرف عبدالشمس تھا کہ جس نے سلطنت خاندان شبا قائم کی تھی اور شہرہائے مارب اور سبا کو بنایا تھا اور جس کا ذکر ہم آگے کریں گے ؛

اوفر۔ یہ قوم صوبہ عمان میں سبا کے مشرق میں آباد ہوئی جہاں کہ شہر اوفر ہیں اُن کے نشانات اب تک پائے جاتے ہیں (ملوک اول باب ۹ درس ۲۸) ؛

حویلاہ۔ یہ شخص مارب کے ٹھیک شمال میں بسا تھا ؛

یوباب۔ یہ بھی مارب کی جانب روانہ ہو کر اُسی نواح میں آباد ہوا۔ قوم جوبارٹی جس کا بطلیموس نے ذکر کیا ہے اور جسکو عرب بنی جوبار کہتے ہیں اُسی کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ؛

اُن قوموں کے مختلف شعبوں اور شاخوں نے جو عرب میں ایک ہی اصل سے پیدا ہوئی تھیں صرف دو وجہ سے علیحدہ علیحدہ نام حاصل کئے تھے یا تو بہیئت مجموعی اپنی بڑی قوت اور تعداد کی وجہ سے یا قوم کے کسی شخص کی شہرت اور کارہائے نمایاں کے باعث سے پس ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص میں سے

کسی نے کوئی کارنمایاں جس سے وہ اپنے لئے کوئی مخصوص نام اختیار کرنے کے مستحق ہوتے نہیں کیا اور اسی سبب سے شعبوں میں منقسم نہیں ہوئے مگر یرح کا حال ایسا نہیں ہے جس کا بیان ہم اب کسی قدر طوالت کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

عرب کے جغرافیہ دان یقطان کے بیشمار لڑکوں میں سے صرف دو شخص کا ذکر کرتے ہیں یعنے یعرب اور جرہم کا چند مورخوں کی یہ رائے ہے کہ یعرب اور یرح سے ایک ہی شخص مراد ہے اور اگرچہ یہ قاعدہ ہے کہ (ج) اور (ی) کا باہم تبادلہ ہو جاتا ہے مگر جرہم کے باب میں رائیں مختلف ہیں۔ بعضے کچھ کہتے ہیں اور بعضے کچھ مگر جمہور کی یہ رائے ہے کہ یعرب اور جرہم دونوں یرح کے بیٹے تھے اور اسٹریبو اور جارج سیل کی بھی یہی رائے ہے۔ لیکن ابوالفدا اپنی کتاب کے ایک مقام میں یعرب اور جرہم کو وہ مختلف اشخاص بیان کرتا ہے اور دوسرے مقام پر جہانکہ وہ مختلف اقوام عرب کے متفرق شعبوں کا ذکر کرتا ہے تو جرہم کو تنہا مورث اعلےٰ تمام فرقوں بتلاتا ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ یعرب اور جرہم سے ایک ہی شخص مراد ہے اور اولاد یعرب کی مختلف شاخیں بنی جرہم میں شامل ہیں:

مشرقی مورخوں نے اس اختلاف کو غیر منفصل چھوڑ دیا ہے مگر رورنڈ فاسٹر صاحب نے نہایت لیاقت سے ثابت کیا ہے کہ جرہم اور یعرب ایک ہی شخص تھے اور جس جگہ کہ انہوں نے اس نام کی چند قدیم وجدید مسلم شکلیں بیان کی ہیں اس جگہ بیان کیا ہے کہ ستر مترجموں نے اس نام کو جرح لکھا ہے اور سینٹ جروم نے جیرا اور حال کے عربوں نے جرح اور سرح اور شرح

اور زیران لکھا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ ان فرضی مختلف ناموں کی مطابقت حسب قواعد تنجی بیان کرکے صاحب موصوف لکھتے ہیں "کہ" علی العموم جو شہادت کہ خود عرب بھی اپنے جرہم کو جرہم پسر یقطان کے ساتھ مطابقت کرنے میں زمانہ دراز سے دیتے آئے ہیں اُس کی تصحیح و تصدیق کتاب بطلیموس میں غیر مبدل توریتی نام کے واقع ہونے سے ہوگئی ہے اور یہ ایک ایسی مثال ہے جس کا ہم کو بارہا حوالہ دینا پڑا ہے یعنے بطلیموس کے اس جملہ کا السینولا جرا چیوری، جس کا ترجمہ ہے جزیرہ بنی جرہم جو اسی حصہ حجاز کے کنارے کے پرے ایک جزیرہ ہے"۔

جرہا یا جرہم کی مطابقت تسلیم کر لینے میں ہمیں کچھ بھی کلام نہیں ہے اور عرب العاربہ کے شجرۂ انساب میں ہم اُن کو ایک شخص قرار دے کر یعنے یرح یا یعرب یا جرہم یا جرہم اُن کا شجرہ لکھیں گے۔

تاریخ عرب العاربہ میں اس شخص کی اولاد کا حال بہت مذکور ہے یہ اُسی کی اولاد تھی جس نے مختلف فرقوں میں منقسم ہوکر بڑے بڑے کام کئے اور زبردست سلطنتوں کے بانی ہوئے۔ مگر عرب العاربہ کی تاریخ لکھتے وقت اُن کے کاموں اور اُن سلطنتوں کے قائم ہونے کے زمانے کا متعین کرنا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ زبانی روایتوں میں جو زمانہ بیان ہوتا ہے وہ کبھی غلطیوں سے خالی نہیں ہوتا اور اس کو معتبر نہیں مانا جا سکتا۔ دوسرے اس سبب سے کہ مورخان عرب نے ان واقعات کی تاریخیں سپٹواجنٹ یعنے یونانی ترجمہ توریت سے اخذ کی ہیں

توریت کے یونانی ترجمے ہیں اور اصل عبرانی توریت ہیں جو اب موجود ہے
زمانوں کا بہت سا اختلاف ہے مگر قریباً قریباً تمام عیسائی ملکوں میں عبرانی
توریت کے زمانے تسلیم کئے جاتے ہیں گو اُس کے مندرجہ زمانے بھی نہایت
مشتبہ اور ناقابل اعتبار ہیں۔ تیسرے اس باعث سے کہ عرب کے مورخوں
نے دو قسم کی تاریخوں کو یعنے اُس کو جو زبانی روایتوں سے عرب میں چلی
آتی تھی اور اُس کو جسے یونانی توریت سے اخذ کیا تھا خلط ملط کر دیا ہے
اور اس سبب سے بڑی ابتری اُن کی تاریخ میں پڑ گئی ہے بعض واقعات
کا زمانہ تو زبانی روایتوں کے بموجب متعین کرتے ہیں اور بعض کا یونانی
توریت کے موافق پس ان مشکلات پر غالب آنا جن سے تواریخ عرب
بھری بڑی ہے۔ کوئی آسان کام نہیں ہے

اس پیچیدہ اور مشکل کام کے حل کرنے کے لئے ہم نے تین ذریعے
اختیار کئے ہیں:

اول۔ اصل عبری توریت جس کو اُس زمانے میں قریباً قریباً ہر
ایک ذی علم قوم نے تسلیم کیا ہے اور علم تواریخ کو اسی کی مندرجہ
تاریخ پر مبنی کیا ہے۔ انہوں نے عبری توریت کو اصل اصول فرض کر
کے اور اُس کے مندرجہ زمانوں کو تسلیم کر کے بہت سی کتابیں تاریخ
کی تصنیف کی ہیں اور ہر قسم کے مباحثوں میں خواہ مذہب سے متعلق ہو
خواہ علم تواریخ سے خواہ علم الارض سے علم حیوانات سے خواہ کسی اور
علم سے اُسی کے مندرجہ زمانوں پر استدلال کرتے ہیں اس واسطے ہم نے

بھی اپنی اس کتاب میں اُنھیں کی تقلید کو قرین مصلحت سمجھا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمنے متعدد واقعات کو جو عرب میں واقع ہوئے ان کے ہمعصر واقعوں سے جو بنی اسرائیل پر واقع ہوئے اور جن کا حال توریت میں مندرج ہے مقابلہ کرنیکا طریقہ اختیار کیا ہے اور اس طرح پر عرب کے واقعات کا صحیح زمانہ متعین کرنے میں کسی قدر کامیاب ہوئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ بعض تواریخی واقعات جو عرب میں واقع ہوئے وہ ایسے ہیں کہ اور ملکوں مثلاً فارس۔ اطالیہ اور مصر کے واقعات سے علاقہ رکھتے ہیں اور یہ ایسے ملک ہیں جن کی تواریخ اور اُن واقعات کا زمانہ جو وہاں واقع ہوئے دنیا میں بخوبی مشہور ہے۔ علاوہ اس کے بہت سے واقعات ایسے ہیں جو عرب میں واقع ہوئے ہیں اور اُن کے وقوع کا زمانہ قریب بہ صحت معلوم ہے اس لئے ہم نے اپنی تحقیقات میں اُن دونوں تاریخوں کو بطور رہنما کے اختیار کیا ہے۔

قحطان اول شخص تھا جو عرب میں بادشاہ ہوا اور اپنی دارالسلطنت زرخیز اور شاداب صوبہ یمن میں مقرر کی جو کہ قحطان فارغ کا بھائی تھا اس واسطے اس کی تاریخ ولادت فارغ کی تاریخ ولادت سے بہت بعد ہوگی۔ اور اس لئے وہ تاریخ قریب ۱۷۵۷ء دینوی یا ۲۲۰۰ء قبل حضرت مسیح کے قرار پاتی ہے۔ زبانوں کے اختلاف کے بعد جو بابل میں مینار کی تعمیر کی وجہ سے عارض ہو گئیں نمرود پسر کوش ملک بابل یا اشور کا بادشاہ ہوا اور حام پسر مصرایم مصر کا۔ اسی زمانے میں قحطان بھی یمن کا بادشاہ ہوا۔ یعنی ۱۷۷۱ء دینوی یا ۲۲۳۴ء قبل مسیح میں۔

اس کے مرنے پر یعرب یا جرہم اپنے باپ کا جانشین ہوا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کے قبضے میں یمن اور حجاز کے صوبے تھے جو اُس وقت میں بنی جرہم کے نام سے مشہور تھے رورنڈ فارسٹر اور اَور مورخ اس بارے میں متفق الرائے ہیں اور اتفاق کی صحت اکثر مقامات کے ناموں کی مطابقت سے جو اُن صوبہ جات میں پائے جاتے ہیں ہوتی ہے۔ جرہم کے یمن میں آباد ہونے کے باب میں مصنف موصوف نے ایک بہت معقول وجہ ثبوت پیش کی ہے یعنی یہ کہ جرہم الیومین کے نام سے ملقب ہوا تھا۔

جرہم کی وفات کے بعد م س کا بیٹا یشجب تخت پر بیٹھا اور اسکے بعد م س کا بیٹا عبدالشمس ملقب بہ سبا اکبر تخت نشین ہوا۔ یہ شہزادہ یمن میں مشہور سلطنت سبا کا بانی ہوا اور اسی نے شہر سبا اور شہر مارب بنایا اور اس کے بعد م س کے بیٹے حمیر نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

اب چونکہ حمیر یقطان سے چوتھی پشت میں تھا اور ترح بھی فالغ سے چوتھی پشت میں تھا اس لئے ہم یہ نتیجہ نکالنے کے مجاز ہیں کہ حمیر کی ولادت ترح کی پیدائش سے بہت دور نہیں ہو گی یعنے ۱۸۸۰ دنیوی یا ۲۱۲۶ قبل حضرت مسیح میں اس کی ولادت ہوئی ہو گی۔

ترح کے تین بیٹے تھے۔ ابرام۔ ناحور۔ حاران اور حمیر کے بیٹے بھی تین تھے۔ واثل۔ عوف۔ مالک۔ اس لئے ترح اور حمیر کی اولاد کو بھی ہمعصر خیال کرنا چاہئے۔ یعنے یہ کہ وہ ۱۹۴۲ دنیوی یا ۲۰۵۶ قبل حضرت مسیح کے تھے۔

واثل کا بیٹا سکسک اور عوف کا بیٹا خازن ہوا۔ اب اول اس مدت پر

جو ایک پشت کے واسطے عموماً دی گئی ہے لحاظ کر کے اور بعد ازاں تاریخ پیدائش لوط پسر حاران پر غور کر کے سکک اور فاران کی ولادت کی تاریخ قرار دینی چاہئے۔ جو ۱۸۷۰ء دینوی یا ۲۱۲۶ء قبل حضرت مسیح میں یعنے تین سو س قبل ولادت حضرت ابراہیم کے قرار پاتی ہے۔

واثل اپنے باپ کا جانشین ہوا اور عوف کسی جگہ حجاز اور نجد کے مابین آباد ہوا۔ یہ امر اس بات سے ثابت ہے کہ پہاڑ جو نجد کی جانب مغرب واقع ہے آج تک جبل عرف کے نام سے مشہور ہے۔ خاران ابن عوف اپنے باپ کے پڑوس میں آباد ہوا۔ یعنی اس وادی غیر ذی زرع میں جہاں بالفعل مکہ معظمہ موجود ہے فاران کا اطلاق صرف اس وسیع شمالی بیابان پر نہیں ہوتا جو قادیش تک چلا گیا ہے بلکہ اُن پہاڑوں پر ہوتا ہے جو اس میں واقع ہیں اور ان پہاڑوں کے نام کی وجہ سے اُس وسیع میدان کو فاران کا میدان کہہ سکتے ہیں۔ تمام مشرقی مورخ اور نیز وہ لوگ جو قدیم روایتوں کے معتقد ہیں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور توریت مقدس میں بھی صاف صاف مذکور ہے کہ یہی نواح بنام فاران موسوم تھا۔ چونکہ ہم اس مضمون کو زیادہ تر تفصیل سے عرب المستعربہ کے ذکر میں بیان کریں گے اس لئے کچھ حال فاران بن عوف کا بیان کرتے ہیں۔

ابوالفدا اپنی تاریخ عرب میں بیان کرتا ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تھا یہ تاریخ معہ اپنے لاطینی ترجمہ کے ۱۸۳۱ء میں از سر نو چھاپی گئی تھی اور اس کا لاطینی زبان میں یہ نام ہے۔ ابوالفدا اسٹوریا انتی اسلام کا کریسہ یعنی

تاریخ ابوالفداء باب عرب ایام جاہلیت اور اس کا ایڈیٹر "ہزنکس ارکھوبیس فلیجر" تھا۔ لفظ فاران اصل کتاب کے صفحہ ۱۴ میں اس شکل سے چھپا ہے (ماران) یعنے حرف اول پر کوئی نقطہ نہیں ہے۔ اب ہم یہ سوچتے ہیں کہ وہ پہلا حرف کیا ہے ف ہے یا ب ہے یا پ ہے اور اس موقع پر یہی تین صورتیں ہو سکتی ممکن ہیں۔ مگر باوجود اس نقطے کی غلطی کے یہ متحقق ہے کہ یہ لفظ بجز فاران کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

عربی مصنفوں کا دستور ہے کہ جب کسی لفظ کا تلفظ ف سے ہوتا ہے تو اُس کو ف کے حرف سے لکھتے ہیں۔ بعض یہودی حرف ف کا تلفظ ش حرف پ سے کرتے ہیں مگر عربی مصنف پ کی جگہ ب کا تلفظ کرتے ہیں اور ب ہی سے اس لفظ کو لکھتے ہیں کیونکہ اُن کی الف بے میں پ کا حرف نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ابوالفدا نے لفظ فاران کو جس کا یہودی تلفظ پاران سے تھا۔ باران ب کے ساتھ لکھا ہے۔ جس کا نقطہ چھپنے میں رہ گیا ہے اور اس کا ثبوت لاطینی ترجمے سے ہوتا ہے کہ اُس میں اُس کا ترجمہ "بارانی" ب سے کیا گیا ہے۔ پس اب اس بات میں کہ عوف کا بیٹا فاران تھا کچھ شک باقی نہیں رہا۔

جس مقام پر کہ عوف نے سکونت اختیار کی تھی وہاں کوئی ایسا ربانی کرشمہ واقع نہیں ہوا جس سے اس کی شہرت کو جو اُس نے عوف کے نام سے حاصل کی تھی گھٹا دیتی یا مٹا دیتی اور اس لئے وہ مقام اور وہ پہاڑ عوف ہی کے نام سے مشہور رہا۔ مگر جس جگہ کہ فاران آباد ہوا تھا اُس کا حال ایسا نہیں ہوا کیونکہ وہاں ایک ربانی [illegible] کے واقع ہونے کا وعدہ کیا گیا تھا

اور جب وہ ربانی کرشمہ واقع ہوا جو تمام چیزوں پر جن کی عرب تعظیم اور حرمت کرتے تھے سبقت لے گیا اور ان کی شہرت کے چاند کو گہن لگا دیا۔ فاران کی شہرت مدھم پڑ گئی اور اس کی جگہ خدائے مقدس کے نام کی شہرت قائم ہوئی۔ فاران کا نام نسیاً منسیاً ہو گیا اور بیت اللہ الحرام کے نام سے اُس مقام نے شہرت پائی۔ جو امید ہے کہ قیامت تک اسی طرح مشہور اور معزز رہے گا۔

وائل کے بعد مس کا بیٹا سکسک اور اس کے بعد اس کا بیٹا یعفر جانشین ہوا۔ اس کا چچازاد بھائی عامر ذوریاش پسر فاران پر عوف نے جو حجاز میں آباد ہوا تھا یعفر کی سلطنت پر حملہ کیا اور فتح کر لیا لیکن نعمان بن یعفر نے اسکو نکال دیا اور وہ حجاز کی طرف چلا گیا اور نعمان نے اپنی سلطنت واپس لے لی۔ اس کارنمایاں کی وجہ سے اُس کا لقب الغافر ہو گیا۔ اُسی قاعدے کے بموجب جس سے کہ ہم نے اس قدر اشخاص کی ولادت کی تاریخیں معین کی ہیں ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ یعفر بن سکسک اور عامر بن فاران اور حضرت ابراہیم کے تولد کی تاریخ قریب قریب ایک ہی زمانے میں ہے یعنی ۲۰۰۰ دنیوی میں یا ۱۹۹۶ قبل حضرت مسیح میں۔ اب جو قدرتی قاعدہ پشتوں کے توالد و تناسل کا ہے اُس کے مطابق ہم نعمان کے زمانہ پیدائش کو دریافت کر سکتے ہیں جس کا وقوع ۱۹۳۵ دنیوی میں یا ۱۹۶۶ قبل از مسیح میں واقع ہوتا ہے۔

اس پچھلے زمانے کے پینتالیس برس بعد حضرت ابراہیم مقام "اور" سے جو قوم کالڈی سے متعلق تھا حاران کو جو عراق عرب میں واقع ہے بلائے گئے تھے

اور یہ ایک زمانہ ہے جس کے متعلق جمیع واقعات ہم کو اس نتیجہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ عاد اور نعمان کی جنگ اسی زمانے میں ہوئی ہوگی۔ اس لئے یہ مضبوط ہو سکتا ہے کہ یہ وہ وقت تھا جب کہ نعمان نے عاد کو بھگا کر اپنے آبائی تخت کو حاصل کیا تخمیناً ۲۰۰۸ دنیوی یا ۱۹۲۱ قبل حضرت مسیح میں۔ نعمان کے بعد اس کا بیٹا شیخ تخت پر بیٹھا اس کی سلطنت پر شداد نے حملہ کیا اور شیخ کو شکست دے کر جلاوطن کر دیا۔ شداد نے بڑی عظمت اور شہرت حاصل کی اور اپنی حکومت استحکام کے ساتھ قائم کرنے میں کامیاب ہوا اس نے بہت سی عالیشان عمارتیں بنائیں جن کے نشان اب بھی پائے جاتے ہیں۔

شداد کا نام ایسا مشہور ہے کہ قریب قریب ہر مشرقی باشندہ اس سے واقف ہے اور اس کی عظمت و شوکت کی نسبت بہت سے عجیب و غریب قصے اور روایتیں مشہور ہیں۔ یہ شخص ماطاط بن عبدالشمس عرف سبا اکبر کی

لہ سٹرورنڈ فارسٹر صاحب بوقت بیان کتبات قوم عاد کے جو مختلف اقطاع عرب میں ظاہر ہوئے ہیں نقب الحجر کے قدیمی آثار کا جو حضرموت میں ہیں ذکر کرتے ہیں جن عراب کے آثار بھی کچھ کم مشہور نہیں ہیں۔ عدن میں بعض عمارتوں کے آثار بڑی قدامت کا دعوے کرتے ہیں اور لوگوں کو بہت شوق دلاتے ہیں اور قوم عاد سے منسوب ہیں۔ بعض نشانات حوضوں کے جو عموماً تالاب کہلاتے ہیں عدن میں اب تک پائے جاتے ہیں اور جن کی قدامت کی وجہ سے ہر سیاح کی توجہ و اشتیاق کو کشش ہوتی ہے۔ ان کا بانی شداد کو کہتے ہیں۔ علاوہ ان آثار کے جن کا ذکر ہو چکا ہے بہت سے اور بھی دریافت ہوئے ہیں جو خود ان عمارات اور نیز ان کے بانی کی قدامت کے شاہد ہیں۔

اولاد میں تھا اس کے باپ کا نام عاد ہے۔ مورخوں نے اس عاد کو پہلے عاد کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے اور اس طرح پر مختلف روایتیں جو درحقیقت پہلے عاد سے متعلق تھیں، اس کی طرف منسوب کیں ہیں اور اس عاد کی روایتیں پہلے عاد کی طرف۔

ان دونوں عادوں کے باہم تمیز کرنے کے لئے ہم نے اس پچھلے عاد کو جس کا ابھی ذکر ہوا بنام عاد ثالث موسوم کیا ہے کیونکہ اس نام کا تیسرا شخص ہے۔

مشرقی تاریخوں میں ہم شداد اور سبا اکبر کے مابین صرف دو نام ایک عاد اور دوسرا ماطاط پاتے ہیں حالانکہ ان کے مابین کم سے کم پانچ نام ہونے چاہئیں مشرقی تاریخوں میں جو سلسلہ انساب میں اس طرح ناموں کی کمی پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرقی مورخوں نے سلسلۂ انساب کو پرانے عربی شعرا کے اشعار اور تحریروں سے اخذ کیا ہے اُن شاعروں کا قاعدہ تھا کہ اپنے اشعار میں انہیں لوگوں کا ذکر کیا کرتے تھے جنہوں نے کسی بڑے بڑے کاموں کی وجہ سے شہرت حاصل کی ہو اور جن لوگوں نے ایسی شہرت نہیں حاصل کی ان کے نام اُن اشعار میں نہیں پائے جاتے تھے اور یہی سبب ہے کہ مشرقی مورخوں نے جو سلسلہ انساب قائم کیا ہے اُس میں سے وہ نام چھوٹ گئے ہیں۔

عرب العاربہ کا شجرہ انساب ہم اپنے اس مضمون کے اخیر میں شامل کریں گے اس شجرے میں جہاں کہیں ہم کو اس طرح پر ناموں کے رہ جانے کا شبہ ہوا ہے یا جہاں کہیں خود مشرمورخوں نے ناموں کے رہ جانے کا اقرار کیا ہے وہاں ہم نے ایک نشانی ستارے کی بنا دی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ کس قدر نام

ہماری دانست میں اس سلسلہ میں سے چھوٹ گئے ہیں۔

جس زمانے میں کہ شداد نے یمن والوں پر غلبہ حاصل کیا اور سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اُس کا صحت کے ساتھ متعین کرنا کسی قدر غیر ممکن ہے بایں ہمہ کہہ سکتے ہیں کہ لقمان کی تخت نشینی سے چند سال بعد یا اس کی وفات سے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں شام کے پانچ بادشاہوں کے باہم لڑائی شروع ہوئی۔ توریت مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی کا اثر عرب میں بھی پہنچا تھا کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ پس در سال چہار دہم کدرلاعومر ملوک کہ بہمراہش بودند آمدہ رفائیاں را در عشتروث قرینم وزوزیان را در ہام والیان را در شاوہ قریاتایم شکست دادند نیز حوریان را در کوہ خوشان سعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحرا ست برگشتہ بہ عین شپاط کہ قادیش است آمدند و تمامی مرزد بوم عمالیقیان و ہم اموریانی کہ در حصصون تامار ساکن بودند شکست دادند۔ وسفر تکوین باب ۱۴ درس ۵ و ۶ و ۷۔

ظاہر ہے کہ یہ حملہ آور قادیش کے شمال میں سے آئے ہونگے کیونکہ سعیر کے پہاڑ اس جگہ سے شمال میں واقع ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قادیش کے جنوب میں دور جاکر فاران میں چلے گئے جس سے آج تک حجاز مراد لیا جاتا ہے کیوں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس بیان کے حملہ آور پاران سے قادیش کو لوٹ گئے کچھ بھی معنی نہ ہوتے اگر یہ کہیں کہ یہ لوگ مغرب کی جانب گئے ہونگے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس طرف بنی عملیق رہتے تھے جن سے کہ ان حملہ آوروں نے اپنی پہلی مہم سے قادیش کو واپس آنے کے بعد جنگ کی تھی۔

اس وقت اشمح کی حکومت اور عملداری صوبہ یمن اور حجاز پر پھیل گئی
چونکہ یہ زمانہ اس کے عہدِ حکومت کی ابتدا کا تھا اس لئے خیال ہو سکتا ہے کہ مذکورہ
بالا حملہ کی وجہ سے اس کی طاقت میں کسی قدر ضعف آ گیا ہو جس سے یہ نتیجہ
نکل سکتا ہے کہ سلطنت یمن کی اس ضعف اور شکستہ حالت میں شداد نے جو
ہمیشہ ایسے موقع کا منتظر رہتا تھا اشمح پر حملہ کیا ہوا اور اس کو حکومت سے بیدخل
کر کے تخت چھین لیا ہو۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم کو اس بات کے یقین کرنے کی
ترغیب ہوتی ہے کہ اشمح ۲۰۹۱ سنہ دینوی یا ۱۹۱۳ سنہ قبل حضرت مسیح میں تخت
پر بیٹھا تھا اور شداد نے ۲۰۹۲ سنہ دینوی یا ۱۹۱۲ سنہ قبل حضرت مسیح میں اس کی
سلطنت کو چھین لیا تھا۔ اور یہ زمانہ اس عام قاعدے سے جو علم النساب
میں پشتوں کے پیدا ہونے کیلئے قرار دیا گیا ہے بالکل مطابق ہوتا ہے۔

شداد کے بعد اس کے دو بھائی لقمان اور ذو شدد یکے بعد دیگرے تخت
پر بیٹھے اور ذو شدد کے بعد اُس کا بیٹا الحارث بادشاہ ہوا۔ اس زمانہ تک اور اسکے
بہت عرصے بعد تک وہاں دو خود مختار سلطنتیں رہیں ایک یمن کی اور دوسری حضر
موت کی آخر کو ایک دوسرا شخص مسمی الحارث جسکا لقب رایش ہوا تخت پر بیٹھا
اُس نے ان دونوں سلطنتوں کو ملا کر ایک کر دیا اس لئے بعض مورخوں نے غلطی
سے پہلے الحارث اور دوسرے الحارث کو ایک ہی شخص سمجھا اور اسی طرح
دونوں سلطنتوں کا ملانا منسوب کیا۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن بادشاہوں کے
نام جو اُن دونوں الحارثوں کے مابین قرار دادہ ہوئے تھے ہر ایک مورخ نے چھوڑ
دیئے اور اُن کے نام معدوم ہو گئے۔ اس غلطی کا ثبوت اس طرح پر ہوتا ہے

کہ جو زمانہ اُن بادشاہوں کا گذرا ہے اور جو تعداد بادشاہوں کی لکھی ہے وہ بہ لحاظ امتداد زمانہ کے نہایت کم ہے ؛

حمزہ اصفہانی اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہے کہ الحارث الرائش ذوشنہ کا لڑکا تھا اور جانشین نہ تھا بلکہ حضرموت کے خاندان میں سے تھا افسوس کی بات ہے کہ یہ مصنف اُن بادشاہوں کی تعداد بھی نہیں بتلاتا جنکے نام معدوم ہو گئے ہیں لیکن اُس کا یہ بیان کہ حمیر اور الحارث الرائش کے مابین پندرہ پشت [illegible] تھیں ہم کو کسی قدر ٹھیک ٹھیک وقت کے معیّن کرنے پر مدد دیتا ہے ؛

اگر ہم بیان مصنف پر اعتماد کریں تو ہم کو یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ الحارث ابن شنہ دوم اور الحارث الرائش کے مابین سات یا آٹھ اور بادشاہ ہوئے ہونگے ؛

الحارث الرائش قیس بن صیفی بن سبا الاصغر کا جو حمیر کی اولاد میں سے بیٹا تھا اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا وہ یمن اور حضرموت دونوں سلطنتوں کو مالک بننے میں کامیاب ہوا اور اسی سبب سے رائش یا تبع الاول کا لقب پایا تھا ؛

اُس کے بعد صعب ملقب بہ ذوالقرنین، اور ابرہہ ملقب بہ ذوالمنار اور افریقش۔ اور عمرو ملقب بہ ذوالاذعار کی عہد حکومت میں شرجیل نے اُس پر حملہ کیا اور بیشمار خونریزیوں کے بعد عمرو ذوالاذعار کو شکست دی اور اُسکی سلطنت پر قابض ہو گیا شرجیل کے بعد اُس کا بیٹا الہذہاد جانشین ہوا اور اُسکے بعد ملکہ بلقیس تخت پر بیٹھی جسنے بلیس بہ سلطنت کر کے حضرت سلیمان بادشاہ یہود سے نکاح کر لیا اس ملکہ کی حکومت کا اختتام توریت مقدس سے ۱۰۰۰ قبل مسیحی

یا ۱۵۰ سنہ قبل حضرت مسیح میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے نسلوں کے پیدا ہونے کے معینہ قاعدے کے مطابق الحارث الرایش اور صعب ذوالقرنین یا تو اٹھارویں صدی دنیا کے آخر میں یا اُنتیسویں صدی کے شروع میں ہوئے ہونگے یعنی ۱۲۰۰ سنہ قبل حضرت مسیح کے:۔

ابن سعید مغربی کا بیان ہے کہ جب حضرت ابن عباس سے اُس ذوالقرنین کی نسبت جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے پوچھا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ صعب حمیری تھا۔ اس دلیل پر ابوالفدا نے بیان کیا ہے کہ اسی ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید میں ہے نہ کہ سکندر اعظم کا:۔

ایک مشہور و معروف کام سد کی تعمیر کا اسی ذوالقرنین کے عہد میں اختتام کو پہنچا۔ شاہانِ یمن کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سد کی بنا سبا اکبر نے شروع کی تھی اس کے بیٹے اور جانشین حمیر نے اس کو جاری رکھا اور ذوالقرنین نے اُس کو اختتام کو پہنچایا۔ وہ سد دو پہاڑوں کے درمیان میں تھی ایک پہاڑ کا نام مارب اور دوسرے کا نام ابلق تھا۔ بلقیس کے بعد اُس کا چچازاد بھائی مالک ملقب بہ ناشر النعم تخت نشین ہوا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا شمر یرعش اور اس کے بعد اس کا بیٹا ابو مالک تخت پر بیٹھا۔ اس بادشاہ کی سلطنت میں عمران نے جو خاندان ازد سے تھا اس پر حملہ کیا اور شکست دیکر تخت چھین لیا اور سلطنت بنی حمیر کے خاندان سے ہلانکے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ عمران کے بعد اس کا بھائی عمر مزیقیا تخت نشین ہوا۔

اس کے زمانے میں لاقرن بن ابو مالک نے اپنے باپ کی سلطنت کا دعویٰ

کیا اور مزیقیا سے لڑکر اُس کو شکست دی اور سلطنت چھین لی اور حمیر کے خاندان میں دوبارہ سلطنت لوٹ آئی۔

م س کے بعد م س کا بیٹا ذوجبشان مالک تاج و تخت ہوا اس کے بعد اُس کا بھائی تبع اکبر اس کے بعد اس کا بیٹا کلیکرب اور اس کے بعد اسکا بیٹا ابوکرب اسعد تبع اس کے بعد م س کا بیٹا حسان اس کے بعد اس کا بھائی عمرو ذوالاوادا اسکے بعد م س کا بیٹا عبد کلال تخت نشین ہوا۔ تبع اصغر پسر حسان نے اس بادشاہ سے سلطنت چھین لی اور خود بادشاہ ہوگیا اُس کے بعد م س کا بھتیجا حارث بن عمر تخت پر بیٹھا تمام مورخوں کا اتفاق ہے کہ حارث نے یہودی مذہب اختیار کیا تھا اس کے بعد تدا بن کلال اور م س کے بعد وکیعا بن رصد تخت نشین ہوئے۔

ان بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ حارث بن عمر کے یہودی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے کسی قدر صحت کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے۔ جبکہ بخت نصر فلسطین کو فتح کرکے اور بیت المقدس کو مسمار کرکے حضرت دانیال اور م س کے دوستوں کو قیدی بنا کر بابل کو لے گیا اُس وقت کچھ یہودی بچ کر یمن کو بھاگ گئے تھے اُس زمانے میں حضرت یرمیاہ اور دانیال پیغمبر تھے۔ اس لئے یہ بات نہایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان مفرور یہودیوں کی وجہ سے الحارث نے خدائے والد کا اقرار کیا ہوگا اور یہودی مذہب کو قبول کیا ہوگا اور یہ امر واقعی ہے کہ الحارث اور وکیعہ اس زمانے میں حکمران تھے یعنی ۳۴۰ء عیسوی میں یا ۶۰۴ء قبل حضرت مسیح میں۔ اس امر کا واقعی ہونا زیادہ تر اس لئے

قابلِ اعتبار رہے کہ نسلوں کے پیدا ہونے کے قدرتی قاعدے کے مطابق بھی یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک صحیح آتا ہے۔ کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ مالک ناشر النعم ۳۰۰ سنہ دینوی میں تخت پر بیٹھا تھا۔ مالک اور وکیعہ کے درمیان گیارہ اور بادشاہ گزرے ہیں جن کا زمانہ مجموعًا چار سو برس خیال کرنا قرین عقل ہے وکیعہ کے بعد چھ اور بادشاہ خاندان حمیر میں سے تخت نشین ہوئے یعنے ابرہہ بن الصباح۔ صہبان بن سحرش۔ عمر ابن تبع۔ ذوشناتر۔ ذونواس ملقب بہ ذواخدود زوحیدن جو کہ ان بادشاہوں کا خاندانی سلسلہ صاف صاف تحقیق نہیں ہوا اس لیئے ہم نے اُن کے ناموں کو شجرۂ انساب عرب العاربہ میں شامل کر دینے کی جرأت نہیں کی مگر ان کے ناموں کو شجرہ کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے۔ ان لوگوں کی سلطنت کا ٹھیک زمانہ بھی تحقیق نہیں ہوا ہے۔

ذونواس ایک متعصب یہودی تھا اور یہودی مذہب والوں کے سوا ہر مذہب کے معتقدوں اور پیروؤں کو آگ میں زندہ جلوا دیا کرتا تھا۔ اس بات کے خیال کرنے کے واسطے ایک عمدہ وجہ یہ ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا جب کہ آرٹمازر کسیز اوکس نے چند یہودیوں کو جو مصر میں قید ہوئے تھے۔ کیوں کہ ان کا ملک مصر سے ملا ہوا تھا ہر قانیہ (ماژندراں) کو بھیج دیا اور چوں کہ یہ بادشاہ بھی یہودی تھا اس کی سلطنت کو بھی سخت صدمہ پہنچا اور حبشیوں نے اس پر غلبہ کر لیا اور اس کو سلطنت سے خارج کر دیا۔ پس یہ زمانہ اس خاندان کا آخری زمانہ معلوم ہوتا ہے اور ۳۶۵ سنہ دینوی یا ۳۵۲ سنہ قبل حضرت مسیح کے مطابق ہوتا ہے۔

اس زمانے سے ہمارے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت تک نو سو بیس برس ہوتے ہیں اس درمیان میں ایفریقہ کے لوگوں کی جو ارباط حبشہ کہلاتے تھے اور نیز بعض عرب المستعربہ اور ابراہوں کی حکومت رہی۔

مشرقی مورخوں نے اس بات کے غلط خیال سے کہ ارباط حبشہ اور ابرہہ دو شخص تھے بیان کیا ہے کہ اس زمانے میں صرف دو بادشاہ ہوئے حالانکہ ارباط حبشہ اور ابرہہ خاندانی لقب ہیں اور ان خاندانوں کے بادشاہ اپنے اصلی نام کے ساتھ خاندانی نام کو شامل کر لیتے تھے۔

اس خاندان ابرہہ میں ایک بادشاہ کا نام اشرم تھا جو ابرہہ اشرم صاحب الفیل کہلاتا ہے اور جس نے مکہ معظمہ پر ۵۷۰ء ویسوی یا ۵۸۰ء علیوی میں چڑھائی کی تھی۔ وہ اپنے ساتھ بہت سے ہاتھی اس نیت سے لے گیا تھا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کر دے اس کے بعد اس کا بیٹا ابرہہ مسروق تخت نشین ہوا مگر سیف بن ذی یزن حمیری نے اس کو سلطنت سے بیدخل کر دیا جس کو کسریٰ نوشیروان والی ایران نے بہت مدد دی تھی جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ اس کے بعد سے خاندان ابرہہ کی حکومت منقطع ہو گئی۔

سیف بن ذی یزن جو حمیر کے شاہی خاندان سے تھا اپنے آپ کو سلطنت یمن کا وارث اور حقدار سمجھتا تھا اس نے روم کے بادشاہ وقت سے مدد چاہی اور شہر روم میں اسی غرض سے دس برس تک پڑا رہا مگر جب کہ اس کی امید منقطع ہو گئی تو وہاں سے کسریٰ نوشیرواں کے پاس چلا اور اس سے کمک کی استدعا کی۔

اس بادشاہ نے اس کی درخواست کو منظور کیا اور بہت بڑا لشکر اس کی کمک کو دیا اور اس نے اس لشکر کی مدد سے اپنے دشمن کو شکست دی اور خاندان ابرہہ کا خاتمہ ہو گیا اور سیف بن ذی یزن از سر نو تخت پر بیٹھا۔

اس نے اپنی سکونت شاہی محل عدان میں اختیار کی اور عیش و عشرت میں محو ہو گیا۔ اس بادشاہ کے عہد کے شعرا نے اس کی بہت تعریف و توصیف کی ہے اور چونکہ ان اشعار میں بعض تاریخی واقعات ملتے ہیں۔ اس لئے ہم چند شعر اس جگہ نقل کرتے ہیں۔

لا تقصد الناس الا کابن ذی یزن

اذ خیم البحر للاعداء حوملا

وافی هرقل وقد شالت نعامته

فلم یجد عنده النصر الذی سالا

ثم انتقی بخوکسری بعد عاشرة

من السنین یهین النفس والمالا

حتی اتی بلبنی الاحرار یقدمهم

تخازهم فوق متن الارض اجبالا

لله مرهم من فتیة صبر

ما ان رایت لهم فی الناس امثالا

بیض مرازبة غلبا سماورة

اسد قربت فی الخیضات اشبالا

فاشرب ھنیا علیک والتاج مرتفقا

براس عمدان دارًا منک محلالا

تلک ۲ المکارھہ لا قحطان من لبن

ثیبا بسما فحاد المجد ابوالا

سیف بن ذی یزن کو ایک اس کے درباری حبشی مصاحب نے قتل کیا اس کے بعد اس صوبہ کو نوشیرواں نے اپنے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا اور اپنی جانب سے وہاں عامل مقرر کرتا رہا۔ اُن عاملوں میں سے اخیر عامل باذان تھا اس کا زمانہ اور آنحضرتؐ کا زمانہ متحد تھا چنانچہ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لایا اور مسلمان ہو گیا۔

عرب العاربہ میں خاندان قحطان نے بڑی طاقت اور شہرت حاصل کی اور صوبہ حیرہ میں ایک بڑی زبردست سلطنت قائم کی اس خاندان کا پہلا بادشاہ مالک بن فہم تھا اس کے بعد اس کے بھائی عمرو کو تخت ملا۔

اس کے بعد جذیمہ بن مالک تخت پر بیٹھا یہ جریح مگر طالع بادشاہ تھا اُس نے اپنی سلطنت کو بہت قوی اور مستحکم کر لیا تھا۔ ایک طرف تو دریائے فرات اس کی سلطنت کی حد تھی اور دوسری طرف حدود شام تک پھیل گئی تھی۔ شام تک سلطنت پھیلانے میں اس کو عملیق سے لڑنا پڑا۔ اور ایک سخت اور خونریز لڑائی کے بعد عملیق کو شکست دی۔ اس بادشاہ کی بہن نے جس کا نام رقاش تھا ایک شخص مسمی عدی سے جو بنی لخم میں سے تھا شادی کی تھی۔

جذیمہ کے بعد اس کا بھانجہ عمرو بن عدی تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد

م س کا بیٹا امرو القیس اور اس کے بعد م س کا بیٹا عمرو بادشاہ ہوا مگر اس کو اوس بن قلام عملیقی نے تخت سے اتار دیا۔ اس کے بعد ایک یا دو اور بادشاہ اسی خاندان کے فرمانروا ہوئے جن کے نام معلوم نہیں۔ لیکن اس قدر محقق ہے کہ امرو القیس ثانی بن عمرو نے بہت جلد اپنے بھائی کی کھوئی ہوئی سلطنت کو لے لیا اور دوبارہ سلطنت کو اپنے خاندان میں منتقل کر لیا۔ یہ اول شخص تھا جس نے کہ انسانوں کو زندہ جلانے کی وحشیانہ رسم کو رواج دیا تھا اور اس سبب سے اس نے المحرق کا لقب حاصل کیا تھا۔ اس کے بعد لخمان جانشین ہوا مگر دنیا کے تردد ات اور جھگڑوں سے کبیدہ خاطر ہو کر تیس برس سلطنت کرنے کے بعد بادشاہت کو چھوڑ دیا اور عبادت میں مصروف ہوا اس کے بعد م س کا بیٹا المنذر الاول تخت پر بیٹھا اس کے بعد اس کا بیٹا اسود تخت نشین ہوا۔ جس کو غسانی بادشاہوں سے چند لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اس کے بعد م س کا بھائی المنذر الثانی تاج و تخت کا مالک ہوا اس کے بعد علقمہ ذیلی اور م س کے بعد امرو القیس ثالث بن لخمان نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اس کے بعد اس کا بیٹا المنذر ثالث ملقب بہ ماء السماء جانشین ہوا مگر اس بادشاہ کو کسرے قباد نے سلطنت سے خارج کر کے الحرث کو جو کندی خاندان میں سے تھا اور جس نے ایران کے بادشاہ کا مذہب اختیار کر لیا تھا مقرر کیا۔ جبکہ کسرے نوشیروان تخت پر بیٹھا اس نے الحرث کو حکومت سے علیحدہ کر دیا اور المنذر الثالث کو پھر حکومت دی اس کے بعد اس کا بیٹا عمرو اور اس کے بعد

اس کا بھائی قابوس اور اُس کے بعد اُس کا بھائی المنذر الرابع اور اُسکے بعد اُس کا بیٹا نعمان ابو قابوس تخت پر بیٹھا۔ اس نعمان نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور خسرو پرویز کے زمانے میں ایک مشہور لڑائی میں جو ایرانیوں کے ساتھ ہوئی تھی مارا گیا۔ اس کے بعد ایاس ابن قبیصہ الطائی اور اُس کے بعد اوبیہ اور اُس کے بعد المنذر خامس بن نعمان ابو قابوس بادشاہ ہوا اس بادشاہ کو خالد بن ولید سردار لشکر اسلام نے شکست دیکر سلطنت کو چھین لیا ؛

جس زمانے میں یہ سب بادشاہ حکمراں ہوئے اُس زمانے کا ٹھیک ٹھیک معین کرنا اگر غیر ممکن نہیں تو مشکل تو بیشک ہے مگر اخیر بادشاہوں میں سے کم سے کم دو بادشاہوں کی فرمانروائی کا زمانہ ٹھیک ٹھیک بدرجہ یقین معلوم ہے اور اگر نسلوں کے دینے کے معمولی قاعدے پر غور کیا جاوے تو بعض اور بادشاہوں کے عہد سلطنت کے زمانے کے محقق ہونے کے لئے کافی پتہ لگ جاوے گا ؛

عمرو بن المنذر ماء السماء کی حکومت کے آٹھویں سال میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان پیدا ہوئے تھے اسواسطے یہ بادشاہ ۵۶۲ء دیسوی یا ۵۶۲ء عیسوی میں تخت پر بیٹھا ہوگا ؛

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر پہلے پہل وحی ایاس کی حکومت کے چھ مہینے پیچھے نازل ہوئی تھی اس واسطے ایاس ۶۱۰ء دیسوی یا ۶۱۰ء عیسوی میں تخت نشین ہوا ہوگا عمرو کی تخت نشینی سے پہلے اُنیس بادشاہ ہو چکے تھے اور اُن کی سلطنتوں کے زمانوں کے مجموعہ کا بہ طرز معقول پانسو پچاس برس

خیال کیا جا سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پہلے بادشاہ مالک بن فہم اکتالیسویں صدی دینوی کے آغاز میں یا حضرت مسیح کے زمانہ ولادت کے قریب تخت پر بیٹھا ہوگا ؛

عرب العاربہ نے ایک اور سلطنت صوبہ عثمان میں قائم کی تھی اور اس سلطنت کے حاکم عرب الشام کے نام سے مشہور تھے۔ اگر صحیح طور پر کہا جاوے تو یہ حاکم قیصر روم کی طرف سے بطور عمال کے تھے مگر شاہی لقب اختیار کرنے کی وجہ سے تاریخ عرب میں بادشاہوں کے ذیل میں بیان ہوتے ہیں۔ چونکہ بعض امور ان لوگوں سے ایسے متعلق ہیں جن سے ہم کو بعض امور کی تحقیقات اور تجسس میں آسانی ہوگی اس لئے اُن سلطنتوں کا ایک مختصر حال اس مقام پر لکھتے ہیں ؛

اس سلطنت کی بنا چار سو برس قبل ظہور اسلام کے ہوئی اور یہ زمانہ تیئتالیسویں صدی دینوی یا تیسری صدی عیسوی سے مطابقت رکھتا ہے ؛

جفنہ بن عمرو اس خاندان کا پہلا شخص تھا جس نے لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ شخص "ازد" کی اولاد میں سے تھا جو خاندان "کہلان" سے علاقہ رکھتا تھا۔ وہ عرب جو اس سے پیشتر عثمان میں رہتے تھے صنعا کہلاتے تھے اُن لوگوں نے عرصہ دراز تک مستعدی کے ساتھ اُس کا مقابلہ کیا مگر آخر کار جفنہ نے اُن پر فتح پائی اور اُن کو مطیع کرایا ؛

اُس کے بعد اُس کا بیٹا عمرو تخت پر بیٹھا اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا ثعلبہ تخت نشین ہوا، ایک عرصہ تک اختیارات شاہی یکے بعد دیگرے

الحارث۔ جبلہ۔ الحرث۔ المنذر الاکبر کے ہاتھوں میں رہے: اس اخیر بادشاہ کا جانشین اس کا بھائی نعمان ہوا۔ اُس کے بعد اس کا بھائی جبلہ اور اس کے بعد اُس کا بھائی ایہم اور اُس کے بعد اس کا بھائی عمرو تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد حفتہ الاصغر بن المنذر الاکبر کی باری آئی اس کے بعد نعمان الاصغر اور اس کے بعد اس کا بھتیجا نعمان ثالث بن عمرو بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد جبلہ بن نعمان ثالث کے ہاتھ سلطنت لگی۔ یہ بادشاہ خاندان حیرہ کے بادشاہ المنذر من السماء کا ہمعصر تھا اور اس سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا۔ اس کے بعد نعمان رابع بن الایہم اور اس کے بعد الحرث اثانی اور اس کے بعد اس کا بیٹا نعمان الخامس اور اس کے بعد اس کا بیٹا المنذر تخت نشین ہوا اس کے بعد عمرو برادر المنذر اور حجر برادر عمرو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اس کے بعد الحارث بن حجر اور جبلہ بن الحارث اور الحارث بن جبلہ باری باری سے بادشاہ ہوئے۔ پھر نعمان ابو کرب بن الحارث اور ایہم عم نعمان تخت پر بیٹھے۔ الایہم کے بعد اس کے تین بھائی المنذر۔ سراحیل۔ عمرو۔ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عمرو کے بعد اس کے بھتیجے جبلہ بن الایہم بن جبلہ کو سلطنت نصیب ہوئی۔ یہ بادشاہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانے تک زندہ تھا۔ پہلے مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد روم کو بھاگ کر عیسائی ہو گیا۔ اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ قریب ۶۴۰ء دینوی یا ۲۰ھ عیسوی میں ہو گیا۔

عرب الحارہ کی یہ اور چھوٹی اور چند روزہ سلطنت کی بنیاد "کندہ" کی اولاد نے جو خاندان کہلان سے تھا ڈالی تھی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ

حجر بن عمرو ہوا۔ جس نے کہ مملکت حیرہ کے ایک حصے کو دبا کر ایک نئی سلطنت قائم کی تھی اس کے بعد اس کا بیٹا عمرو اور اس کے بعد اس کا بیٹا الحرث تخت پر بیٹھا یہ وہی شخص ہے جس نے کسرے قباد کا مذہب اختیار کر کے اس کی اعانت سے سلطنت حیرہ کو فتح کیا تھا۔ مگر جب نوشیروان نے اس سے المنذر کو سلطنت واپس دلا دی تب الحارث دیارِ کلب کو بھاگ گیا مگر اس کے بیٹے چند روز تک چند مقامات پر حکومت کرتے رہے۔ حجر بنی اسد پر حکمران رہا۔ سراحیل نجران وائل پر۔ معدی کرب قیس عیلان پر۔ سلمہ تغلب اور نمر پر حاکم رہا۔

حجر کے بعد جو مارا گیا تھا اس کے بیٹے امرو القیس نے از سر نو بنی اسد کو مطیع کیا۔ یہ امرو القیس وہی بڑا مشہور شاعر عرب کا ہے۔ جبکہ منذر ماء السماء از سر نو تختِ سلطنت پر بیٹھا تو امرو القیس اس کے خوف سے بھاگا اور کہیں روپوش ہو گیا۔ ان سب بادشاہوں پینتالیسویں یا چھیالیسویں صدی دنیوی یا پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں حکومت کی تھی۔

ایک اور سلطنت حجاز میں قائم ہوئی تھی۔ جس زمانے میں یمن اور حیرہ کی سلطنتیں اندرونی جھگڑوں سے ضعیف ہو گئی تھیں اس زمانے میں اولاد لیرب یا جرہم نے ایک نئی اور خود مختار سلطنت حجاز میں قائم کی تھی۔ ابو الفداء کے نزدیک اس سلطنت کا پہلا بادشاہ جرہم تھا۔ جس کا بھائی لیرب یمن میں حکمران تھا۔ مگر یہ غلطی ہے اور اس وجہ سے عارض ہوئی ہے کہ ابو الفداء نے غلطی سے لیرب اور جرہم کو دو شخص خیال کیا تھا

حالانکہ یہ دونوں نام ایک شخص کے ہیں۔ اور یہی ایک شخص یمن اور حجاز دونوں پر حاکم تھا۔ ابوالفدا نے مندرجہ ذیل نام بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ لوگ بھی یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے تھے اور وہ نام یہ ہیں۔ یالیل جرشم بن یالیل۔ عبدالمدان بن جرشم۔ ثعلبہ بن عبدالمدان۔ عبدالمسیح بن ثعلبہ مضاض بن عبدالمسیح۔ عمرو بن مضاض۔ الحرص برادر مضاض۔ عمرو بن الحرث بشر بن الحرث۔ مضاض بن عمرو بن مضاض۔

اگر ابوالفدا کے نزدیک یہ بادشاہ حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم سے پیشتر گزرے ہیں تو وہ بڑی غلطی پر ہے۔ کیونکہ عبدالمسیح کے نام سے بلاریب ثابت ہوا ہے کہ وہ عیسائی تھا اور اس لئے ممکن نہیں کہ وہ حضرت اسمٰعیل سے پیشتر گزرا ہو یا ان کا ہم عصر ہو۔ کچھ شک نہیں کہ یہ سلطنت اس وقت قائم ہوئی تھی جب کہ یمن اور حیرہ اور کندہ کی سلطنتیں زوال کی حالت میں تھیں اور اس لئے ہم کو یقین ہے کہ اس سلطنت کے بادشاہ پینتالیسویں اور چھیالیسویں صدی دینوی یا پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں گزرے ہیں۔

یہ بھی واضح ہو کہ عمرو بن لاحی سنہ ۲۱۰ دینوی یا تیسری صدی عیسوی کے آغاز میں اسی سلطنت پر حکمراں تھا۔ ابوالفدا کا بیان ہے کہ اسی شخص نے بت پرستی کو عرب حجاز میں رواج دیا تھا اور کعبے میں تین بت۔ ھوبل کعبہ کی چھت پر اور اساف اور نائلہ اور مقاموں پر رکھے تھے۔

مثل دیگر عرب العاربہ کے جو حجاز میں متوطن ہوئے اور پھر وہیں کے بادشاہ ہوئے زہیر ابن جناب نے بھی لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ بات اس وقت کی ہے

جبکہ ابرہہ اشرم نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا۔ کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ زبیر بھی ابرہہ اشرم کے ساتھ اس مہم میں شریک تھا۔ اس لئے یہ آسانی محقق ہو سکتا ہے کہ اس کا عہد حکومت چھیالیسویں صدی دیوی یا چھٹی صدی عیسوی کے آخری حصے میں ہوگا۔ سب سے مشہور واقعہ اس کے عہد حکومت کا یہ تھا کہ اس نے بنی غطفان کے اس مقدس معبد کو جو انہوں نے کعبہ کے مقابلے کے لئے بنایا تھا بالکل برباد کر دیا تھا۔

اب ہم اس مقام پر عرب العاربہ کے انساب کا شجرہ لکھتے ہیں۔ تمام قوم کا شجرہ لکھنا تو محالات سے ہے مگر یہ شجرہ انہیں لوگوں کا ہے جنکا ذکر ہم نے اس مقام پر کیا ہے اس شجرے سے ان مطالب کے سمجھنے میں جو اس جگہ بیان ہوئے ہیں آسانی ہوگی۔

تمام عرب العاربہ جن کا ہم نے اوپر مفصل ذکر کیا ہے بنی جرہم کے خاندان سے علاقہ رکھتے ہیں مگر وقتاً فوقتاً بلحاظ اپنے مورثوں کے متعدد قبیلوں میں منقسم ہوتے گئے ہیں۔ ان قبیلوں میں سے جو نامی قبیلے گزرے ہیں اور جن کا ذکر اکثر کتابوں میں آتا ہے ان کا بیان ہم اس مقام پر کرتے ہیں۔ ان قبیلوں کی تقسیم قائم کرنے میں ہم نے ابوالفدا اور معارف ابن قتیبہ سے استفادہ کیا ہے۔

۱۔ یحرب یا جرہم سے بنو جرہم۔
۲۔ عبدالشمس بن یحشب سے بنو سبا۔
۳۔ حمیر ابن سبا سے بنو حمیر۔
۴۔ کہلان ابن سبا سے بنو کہلان
۵۔ اشعر ابن سبا سے اشعری
۶۔ انمار ابن سبا سے بنو انمار۔

۷۔ عاملہ بن سبا سے عاملی
۸۔ عدی ابن انمار بن سبا سے بنو عدی
۹۔ لخم بن عدی سے لخمی۔
۱۰۔ جذام ابن عدی سے بنو جذام
۱۱۔ حدث ابن لخم سے بنو حدس
۱۲۔ غنم ابن لخم سے بنو غنم
۱۳۔ بنو الہ ارن مانی بن لخم سے راوی
۱۴۔ غطفان ابن حیرام ابن جذام سے بنو غطفان۔

قبائل ذیل بنو غطفان کی نسل میں ہیں

۱۵۔ بنو فضلۃ۔ ۱۶۔ بنو احنف
۱۷۔ بنو الحبیب ۱۸۔ بنو ہدالہ
۱۹۔ بنو لفاسہ ۲۰۔ بنو ضلیع
۲۱۔ بنو اعایزہ ۲۲۔ بنو شیرہ
۲۳۔ بنو عبداللہ ۲۴۔ بنو الحشر
۲۵۔ بنو سلیم ۲۶۔ بنو بجالہ
۲۷۔ بنو غنم ۲۸۔ بنو الفالہ
۲۹۔ سعد بن مالک بن حیرام سے بنو سعد
۳۰۔ وائل بن مالک سے بنو وائل۔

قبائل ذیل بنو سعد کی نسل میں ہیں

۳۱۔ بنو عوہت
۳۲۔ بنو عایزہ
۳۳۔ بنو شیرہ
۳۴۔ بنو [illegible]
۳۵۔ بنو الاخنس
۳۶۔ بنو حی
۳۷۔ حشم بن جذام سے حشمی
۳۸۔ حطمہ بن جذام سے بنو حطمہ

قبائل ذیل بنو انمار کی نسل میں ہیں

۳۹۔ خثعمی ۴۰۔ بجیلی

۴۱۔ قسری ۴۲۔ بنو احمس

۴۳۔ دہمان بن عامر بن حمیر سے دہمانی

۴۴۔ خصیب بن دہمان سے خصیبی

۴۵۔ اسلب بن سعد بن حمیر سے سلفی

۴۶۔ اسلم بن سعد سے اسلمی

۴۷۔ رعین بن حرث بن حمیر سے آل ذی رعین۔

۴۸۔ قضاعہ بن مالک بن حمیر سے بنو قضاعہ۔

قبائل ذیل قضاعہ کی نسل میں ہیں

۴۹۔ کلب ابن دبرہ سے بنو کلب

۵۰۔ عدی ابن جناب سے بنو عدی

۵۱۔ علیم ابن جناب سے بنو علیم

۵۲۔ بنو العبید ۵۳۔ بنو رفیدہ

۵۴۔ بنو مصر ۵۵۔ بنو القین

۵۶۔ بنو سلیح۔ ۵۷۔ بنو تنوخ

۵۸۔ جرن ابن ربان سے بنو جرم

۵۹۔ راسب ابن جرم سے راسبی

۶۰۔ بنو بہرار ۶۱۔ بنو ابل

۶۲۔ بنو مہرہ ۶۳۔ بنو عذرہ

۶۴۔ بنو سعد ۶۵۔ بنو ہزیم عبد حبشی

۶۶۔ خزینہ ابن سعد سے خزنی

۶۷۔ سلامان ابن سعد سے سلامانی

۶۸۔ بنو جہینہ ۶۹۔ بنو ہند ۷۰۔ التابعہ

قبائل ذیل التابعہ کی نسل میں ہیں

۷۱۔ ذو قلاع ۷۲۔ ذو نواس

۷۳۔ ذو اصبح ۷۴۔ ذو جدن ۷۵۔ ذو یزن

۷۶۔ ذویزن ۷۷۔ ذوجوش

۷۸۔ بنو اشجول

۷۹۔ وائل ابن حمیر سے بنو وایل

۸۰۔ سکاسک بن وایلہ سے بنو سکاسک

۸۱۔ عوف بن حمیر سے بنو عوف

۸۲۔ فاران ابن عوف سے بنو فاران

۸۳۔ طے بن اود کہلانی سے طائی

۸۴۔ غوث بن اود سے غوثی

قبائل ذیل طائی کی نسل میں ہیں

۸۵۔ بنو نہان ۸۶۔ بنو ثعل ۸۷۔ عاتمی

۸۸۔ بنو السنبس ۸۹۔ بنو ایتم

۹۰۔ ثور بن مالک ابن مرثد کہلانی سے ثوری

۹۱۔ کندہ بن ثور سے کندی

۹۲۔ سکون بن کندہ سے سکونی

۹۳۔ اوسلہ بن ربیعہ بن خیار بن مالک کہلانی سے ارسلی

۹۴۔ ہمدانی ۹۵۔ سبیعی ۹۶۔ دواعہ

۹۷۔ مذحج بن بہار بن مالک کہلانی سے مذحج

۹۸۔ مراد بن مذحج سے مرادی

۹۹۔ سعد بن مذحج سے سعدی یا سعد العشیرہ

۱۰۰۔ خالد بن مذحج سے بنو خالد

۱۰۱۔ عنس بن مذحج سے عنسی

۱۰۲۔ جعفی بن سعد سے جعفی

۱۰۳۔ جنب بن سعد سے جنبی

۱۰۴۔ حکم بن سعد سے حکمی

۱۰۵۔ عایذ اللہ بن سعد سے عایذی

۱۰۶۔ جعل بن سعد سے جعلی

۱۰۷۔ مران بن جعفی سے مرانی

۱۰۸۔ حریم بن جعفی سے حریمی

۱۰۹۔ زبید بن سعد سے زبیدی

۱۱۰۔ جدیلہ بن حارجہ بن سعد سے جدیلی۔

۱۱۱۔ ابو غولان بن عمرو بن سعد سے غولانی

۱۱۲۔ انعم بن مراد بن مزحج سے انعمی

۱۱۳۔ نخع بن جسر بن اولہ بن خالد بن مزحج سے نخعی

۱۱۴۔ کعب بن عمرو سے بنو الحارث

۱۱۵۔ کعب بن عمرو سے بنو لحارس۔

۱۱۶۔ بنو قنان

۱۱۷۔ الازو بن غوث کہلانی سے ازدی

۱۱۸۔ مازو بن ازد سے مازنی یا غسانی

۱۱۹۔ دوس بن ازد سے دوسی

۱۲۰۔ ہنو بن ازد سے ہنوئی

۱۲۱۔ جفنہ بن ازد مازنی سے جفنی

۱۲۲۔ آل غنقا ۱۲۳۔ آل محرق

۱۲۴۔ جلی

۱۲۵۔ سلامان ابن مید عن بن ازد سے سلامانی

۱۲۶۔ روس بن عدثان بن زہران الازدی سے دوس عدثی۔

۱۲۷۔ جذیمہ بن مالک بن فہم بن غنم بن دوس سے جذیمی۔

۱۲۸۔ جہاضم بن مالک سے جہاضمی

۱۲۹۔ سلیمہ بن مالک سے سلیمی

۱۳۰۔ ہنابہ بن مالک سے بنو ہنابہ

۱۳۱۔ معین بن مالک سے معینی

۱۳۲۔ یحمد بن معین سے بنو یحمد

قبائل ذیل ازد کی نسل میں ہیں

۱۳۳۔ الظریف ۱۳۴۔ بنو لشکر

۱۳۵۔ بنو الحبدرہ

۱۳۶۔ لہب بن عامر سے بنو لہب

۱۳۷۔ غابد بن عامر سے غامدی۔

قبائل ذیل عبداللہ بن ازد کی نسل میں ہیں

۱۳۸۔ قسالی ۱۳۹۔ بنو عتیک

۱۴۰۔ بنو بارق ۱۴۱۔ بنو عوف

۱۴۲۔ شہران بن عوف سے بنو شہران

۱۴۳۔ طاحیہ بن سود سے بنو طاحیہ

۱۴۴۔ بنو ہداد ۱۴۵۔ خزاعی

۱۴۶۔ قمیری ۱۴۷۔ بنو حیل

۱۴۸۔ بنو المصطلق ۱۴۹۔ بنو الکعب

۱۵۰۔ بنو الملاع ۱۵۱۔ بنو عدی

۱۵۲۔ بنو سعد ۱۵۳۔ اسلمی ۱۵۵۔ خزرج بن سالبۃ العنقا سے خزرجی
۱۵۴۔ حبشی

قبائل ذیل خزرج کی نسل میں ہیں

۱۵۶۔ حبشی ۱۵۷۔ بنو ترزید ۱۵۸۔ اسلمی ۱۶۱۔ بنو انجلی ۱۶۲۔ القراقل
۱۵۹۔ بنو بیاسۃ ۱۶۰۔ بنو سالم ۱۶۳۔ بنو النجد ۱۶۴۔ بنو ساعدہ

قبائل ذیل اوس کی نسل میں ہیں

۱۶۵۔ اشہلی ۱۶۶۔ بنو ظفر ۱۶۷۔ بنو الحارثہ ۱۷۰۔ حبادرہ ۱۷۱۔ بنو واقف
۱۶۸۔ اہل قبا ۱۶۹۔ عجبی ۱۷۲۔ سلمی ۱۷۳۔ بنو خطمہ

ہم اس مقام پر عرب العاربہ کے قبائل کا ایک شجرہ لکھتے ہیں جس سے مذکورہ بالا بیان کے سمجھنے میں آسانی ہو گی اور ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاوے گا کہ کون سا قبیلہ کس قبیلہ سے نکلا ہے۔

سوم

عرب المستعربہ یعنی پردیسی عرب

عرب المستعربہ کے تمام قبیلے ایک ہی اصل سے نکلے ہیں ان کا نسب ترح بن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالغ بن عیبر بن شالخ بن ارفخشد بن سام

تک پہنچتا ہے ترح کی اولاد جو عرب میں آباد ہوئی پانچ شاخوں میں منقسم تھی اور اسی وجہ سے عرب المستعربہ بھی پانچ شاخوں میں منقسم ہیں۔

اوّل :۔ اسمٰعیلی یا بنی اسماعیل بن ابراہیم بن ترح (سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ و باب ۱۶ درس ۱۵)

دوم :۔ ابراہیمی یا بنی قطورہ یعنے ابراہیم بن ترح کی اولاد قطورہ کے سلسلہ سے (سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ و باب ۲۵ درس ۱)

سوم :۔ ادومی یا بنی عیسو یعنے اولاد ادوم بن اسحاق بن ابراہیم بن ترح۔ (سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ و باب ۲۱ درس ۳ و باب ۲۵ درس ۲۵)

چہارم :۔ ناحوری یا بنی ناحور یعنی اولاد ناحور برادر ابراہیم بن ترح (سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ و ۲۹)

پنجم :۔ ہارانی یا بنی ہاران یعنی اولاد موآب و عمان بن لوط بن ہاران بن ترح۔ یہ اخیر قبیلہ کبھی تو موآبی کہا جاتا ہے اور کبھی عمانی مگر ہم نے اس کو ہارانی اس واسطے لکھا ہے کہ ہاران ان دونوں کے مورث کا نام ہے اور دونوں پر حاوی ہے (سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ و ۲۹ و باب ۱۹ درس ۳۰ و ۳۸)

اب ہم اس مقام پر ہر ایک مذکورہ بالا قبیلہ کا علیحدہ علیحدہ بیان کرینگے اور اسی درمیان میں یہ بھی ثابت کریں گے کہ "فاران" جہاں سے ربانی ہدایت کے چمکنے کی توریت مقدس میں پیشین گوئی کی گئی تھی وہ جگہ حجاز اور بالخصوص مکہ کے متصل کے پہاڑ ہیں۔ اور اس خطبے میں اسی امر کا ثابت کرنا مقصود اصلی ہے۔

اوّل اسمٰعیلی یا بنی اسمٰعیل

تمام مورّخ مسلمان اور غیر مسلمان سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد عرب میں آباد ہوئی اور ملک عرب کا ایک بڑا حصہ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کی نسل سے معمور ہو گیا ان میں جو کچھ اختلاف ہے وہ ان کے مقام سکونت میں ہے اس لئے ہم ان کے مقام سکونت کی اس مقام پر تحقیقات کریں گے۔

توریت مقدس میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے نکالے جانے کے واقعہ کو اس طرح پر بیان کیا ہے۔" سارہ پسر ہاجر مصری را کہ مجہت ابراہیم زائیدہ شدہ بود دید کہ استہزائے نماید۔ وبا ابراہیم گفت کہ ایں کنیزک ولپسر اورا اخراج نما زیرا کہ پسر ایں کنیزک با پسر من اسحٰق وارث نخواہد شد۔ وایں سخن در نظر ابراہیم بسیار ناخوش آمد بہ سبب پسرش وخدا با ابراہیم گفت بجہت ایں جوان وکنیزکت در نظرت ناخوش نیاید ہر چہ کہ سارا بتو گفتہ باشد قولش را استماع نما زیرا کہ ذریعہ تو از اسحٰق خواندہ مے شود از پسر کنیزک نیز اُمتے خواہم گردانید زیرا کہ از نسل تست وابراہیم در صبحدم سحر خیزی نمودہ نان ومطہرہ آب را گرفتہ بہاجر دادہ بہ دوشش گزاشت وہم پسرش را (و باد دادہ) اورا روانہ نمود پس راہی شدہ در بیابان بیر شبع سرگرداں شد وآبے کہ در مطہرہ بود تمام شدہ پسر را زیر بوتہ از بوتہا گزاشت وروانہ شدہ در برابرش بہ مسافت یک تیر

پرتاب نشست وگفت که مرگ پسر را نه جینم ودر برابرش نشسته آواز خود را بلند کرده گریست، وخدا آواز پسر را شنید وملک خدا ہاجر را از آسمان آواز داده باو گفت که اے ہاجر ترا چه واقعه شد مترس زیرا که خدا آواز پسر را در جائے بودنش شنیده است، برخیز وپسر را بردار وبه دست او را بگیر زیرا که او را اُمت عظیمے خواہم کرد، وخدا چشمان او را کشاده کرد وچاه آبے دید وروانه شده مطهره را از آب پر کرد وبه پسر نوشانید، وخدا با پسر بود که نشو ونما نمود ودر بیابان ساکن شده تیر انداز گردید، ودر بیابان پاران ساکن شد ومادرش از برایش از دیار مصر زنے گرفت (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۹ لغایت ۲۱)

اس عبرانی لفظ کا انگریزی میں بوتل ترجمہ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے قدیم عربی ترجمے میں "سقاء" ترجمہ کیا گیا ہے اور فارسی ترجمہ میں "مطہرہ" اردو میں اس کا ترجمہ "مشکیزہ" یا "چھاگل" صحیح ترجمہ ہے جو مشرقی ملکوں میں مروج ہے اور جس میں چند روز کے پینے کے لائق پانی سما سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ خود توریت مقدس میں حضرت اسمٰعیل کی عمر کی نسبت جب کہ وہ نکالے گئے نہایت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض درسوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہایت بچے تھے اور بعض سے پایا جاتا ہے کہ وہ سولہ سترہ برس کے تھے اس اختلاف کی بنا پر عرب کے یہودیوں میں ان کا بچہ ہونا مشہور تھا۔ اسی یہودی روایت کو ابن عباس نے بیان کیا ہوگا اور اسی وجہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسکو منسوب نہیں کیا۔

توریت مقدس میں جو حضرت اسمٰعیل کی عمر کے باب میں اختلاف ہے
وہ اس طرح پایا جاتا ہے۔ پیدائش باب ۲۱ درس ۱۴ کا فارسی ترجمہ
جو ہم نے اوپر لکھا ہے وہ یہ ہے "وابراہیم در صبح دم سحر خیزی نمودہ
نان و مطہرہ آب را گرفتہ و بر ہاجرہ داد و بہ دوشش گذاشت و ہم پسرش
را (باد داده) او را روانہ نمود پس راہی شدہ در بیابان بیرشبع سرگردان
شد" اس ترجمہ میں لفظ "باد داده" دو ہلالی خطوط میں لکھا ہے جس کا
یہ اشارہ ہے کہ یہ لفظ اصل عبری توریت میں نہیں ہے۔ درحقیقت
یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ عبری لفظوں کا یہ ہے کہ پانی کے مشکیزے
اور اس کے بیٹے کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھ کر اس کو روانہ کر دیا۔" اس
سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ اور اسی وجہ سے
لوگوں نے دودھ پیتا ہوا خیال کیا تھا۔ حالانکہ اسی باب کی چودھویں
آیت اس کے برخلاف ہے۔

عیسائی عالموں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس چودھویں
آیت سے بلاشبہ حضرت اسمٰعیل کی اس زمانے میں بہت چھوٹی عمر ہونا پایا
جاتا ہے جو توریت کی بہت سی آیتوں کے برخلاف ہے اس لئے انہوں
نے اس کی نسبت بہت کچھ بحث کی ہے۔

مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ "اگر ہم حضرت اسمٰعیل کی عمر پر غور کریں تو
رنج آگیں شوق اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ یہ لڑکا اب کچھ بچہ نہیں
تھا بلکہ کم از کم پندرھویں برس میں تھا مگر تکلیف کی وجہ سے بچہ کی طرح

مضغہ سا ہو رہا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں اس کی بیچاری ماں
جب تک کہ اس کو طاقت رہی ہوگی اس کو ہاتھوں میں اٹھائے رہی ہوگی
اور جب وہ تھک گئی ہوگی تو اس کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا ہوگا
(مگر ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ تاویل کیسی لغو اور بیہودہ ہے) اس کے بعد
مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک عمر حضرت اسمٰعیل کی بہ آسانی معلوم
ہو سکتی ہے تیرہ برس کی عمر میں ان کا ختنہ ہوا تھا۔ حضرت اسحاق اس وقت
تک پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ اس کے اگلے سال پیدا ہوئے ہیں اور حضرت
ہاجرہ اور ان کے بیٹے کے بیان میں بھیجے جانے سے پیشتر ان کا یعنی حضرت
اسحاق کا دودھ چھوٹ چکا تھا (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب ص ۱۷۶)

توریت اور انجیل کے اکثر محققین اور علی الخصوص "جیروم لی کلوک"
اور "روزن ملر" خیال کرتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی عمر اس وقت سترہ برس
کی تھی اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ہاجرہ نے ان کو اپنے کندھے پر
رکھ لیا ہو۔

جیسی بیہودہ تاویل مسٹر فارسٹر نے کی ہے اس سے زیادہ عجیب
تاویل "نشپ مارتلی" نے کی ہے وہ لکھتے ہیں "عبرانی توریت کا متن
یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کو اس کی ماں نے معہ روٹی اور پانی کے اپنے
کندھے پر رکھ لیا۔ یہی معنے یونانی ترجمے میں بھی سمجھے گئے ہیں اور یہ جملہ
بھی کہ بچہ کو جھاڑی میں ڈال دیا جو پندرہویں آیت میں ہے اسی معنے
کی تائید کرتا ہے۔ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کے وقت حضرت اسمٰعیل کی عمر

چودہ برس سے کم نہ تھی۔ اس واسطے ان کی ولادت کے وقت کم سے کم
دہ پندرہ سال کے ہوں گے مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حیات انسانی کو اس زمانے
میں بہت مختصر دہ گئی ہے تاہم زمانہ حال کی مدت عمر سے زیادہ دراز ہوتی ہوگی
اور چونکہ طفولیت اور ہر ایک درمیانی زمانہ عمر کی حالت تمام عمر کے مجموعہ کے
ساتھ جب کہ آدمی ڈیڑھ سو برس یا زیادہ عمر کے ہوتے تھے ہمیشہ کوئی معین
مناسبت رکھتی ہوگی اس لئے قرین قیاس ہے کہ اس زمانہ میں چودہ یا سولہ
برس کی عمر تک ضعیف اور ناتوان رہتے ہوں گے اور میرے نزدیک اس
قصے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹوں کے زمانے
میں یہی صورت ہوگی۔ جوسفس کے ذہن میں بھی یہی بات آئی تھی کیوں کہ
اس کا صریح بیان ہے کہ حضرت اسماعیل اس وقت تنہا نہیں جا سکتے تھے
مگر یہ دلیل کیسی بیہودہ ہے کیونکہ تین ہی پشتوں کے بعد یہ سب باتیں بدلی
ہوئی معلوم ہوتی ہیں اس لئے کہ حضرت یوسف حضرت ابراہیم کے پوتے کے
بیٹے سترہ برس کی عمر میں اپنے بھائیوں کے ساتھ باپ کے مویشی چرایا کرتے
تھے اور تیس برس کی عمر میں عزیز مصر کے خواب کی تعبیر بیان کی تھی اور
اس کے وزیر ہو گئے تھے۔

اسی مضمون پر ایک اور مصنف یہ لکھتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل گو بچہ
کہلاتے تھے مگر سولہ سترہ برس کے ہوں گے اور اس لئے اپنی والدہ کی اعانت
اور مدد کرنے کے قابل ہوں گے۔ جس طرح کہ انہوں نے بعد میں کی۔

ایک اور مصنف کہتا ہے کہ اس جملہ کو "کندھے پر رکھ دیا" خطوط ہلالی

کے اندر رکھ دیا جاتا۔ جیسا کہ بشپ کلڈیر اور اسٹیک ہوس اور بابل نے کیا ہے (جس سے اشارہ ہوتا کہ یہ لفظ توریت میں نہیں ہیں) تو یہ آیت مشتبہ نہ ہوتی۔

اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی پہلی بی بی سارہ کے کہنے سے اپنی دوسری بی بی ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسمٰعیل کو جو ہوشیار اور بڑے ہو گئے تھے گھر سے نکال دیا اور وہ دونوں بیابان بیرشبع میں چلے گئے۔ چلتے چلتے اور منزلیں طے کرتے ہوئے وہ اس مقام پر پہنچے جہاں اب مکہ ہے پیاس کی شدت سے حضرت اسماعیل کی حالت خراب ہو گئی اور مرنے کی نوبت پہنچ گئی حضرت ہاجرہ جوان کو ایک درخت کے سایہ میں بٹھا کر پانی کی تلاش کو ادھر اُدھر دوڑتی پھریں اور بمشکل پانی ملا اور جہاں پانی ملا تھا اُسی جگہ انہوں نے سکونت اختیار کر لی کیونکہ عرب میں اسی جگہ لوگ سکونت اختیار کرتے تھے جہاں پانی دستیاب ہوتا تھا۔

قرآن مجید سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اُس میں یہ آیت ہے "ربّ انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم" اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اسماعیل اس مقام کے پاس سکونت پذیر ہوئے تھے جہاں کہ بالفعل خانہ کعبہ واقع ہے اور جہاں کہ اب شہر مکہ آباد ہے۔ عبرانی لفظ مدبر اور عربی لفظ وادی اور الفاظ "غیر ذی زرع" جو قرآن مجید میں آئے ہیں ایک ہی معنے رکھتے ہیں۔ لفظ فاران اور لفظ اہل فاران۔ جو سفر تکوین باب ۲۱ درس ۱۴ اور باب ۱۴ درس ۶ میں آیا ہے اُن دونوں سے ایک ہی مقام مراد ہے اور لفظ ایل پاران سے بالتخصیص وہ پہاڑ مراد ہیں

جو کعبہ کے گرد واقع ہیں اور صفا اور مروہ اور ابو قبیس اور حرا وغیرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ عبرانی زبان میں "ایل" کے معنے خدا کے ہیں۔ فاران کے پہلے "ایل" کا لفظ لگانے سے انسان کا دل اس کی وجہ کی تفتیش پر متوجہ ہوتا ہے اور اس پر قرار پاتا ہے کہ اس جگہ ضرور کوئی ربانی کرشمہ ظاہر ہوا ہے یا ظاہر ہونے والا ہے۔ خانہ کعبہ کے گرد جو پہاڑ ہیں اور جہاں کہ مسلمان حج ادا کرتے ہیں علی العموم بنام "الال" مشہور ہیں بعض صرف و نحو کے عالموں نے "الال" کو واحد لکھا ہے اور بعض کے نزدیک جمع کا صیغہ ہے۔ اس لفظ کے صحیح استقاق کی نسبت بہت بحث ہے بعض کچھ کہتے ہیں اور بعض کچھ مگر کوئی بات اطمینان کے قابل نہیں ہے۔ ہماری رائے میں کچھ شک نہیں ہے کہ یہ اسی لفظ "ایل" سے مشتق ہوا ہے۔ ابتدا میں پہاڑ کے نام کے ساتھ اس کا استعمال تھا بمعنے کوہ خدا۔ پھر جو کہ ایں فاران خاص حجاز میں تھا عربوں نے اس نواح کے تمام پہاڑوں کے لیے "ایل" کی جمع "الال" بنالی اور مکہ کے پہاڑوں پر اس کا اطلاق کرنے لگے

اگرچہ واقعات مندرجہ توریت مقدس اور قرآن مجید جن کا ہم نے اوپر بیان کیا ہے آپس میں مطابقت رکھتے ہیں تاہم تین بڑے بڑے سوالات ہیں جو حضرت اسمٰعیل کی سکونت سے علاقہ رکھتے ہیں۔

اول یہ کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو گھر سے نکال دینے کے بعد کہاں چھوڑا تھا۔

دوم یہ کہ حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ نے بیابان میں آوارگی

کے بعد کس جگہ سکونت اختیار کی۔

سوم یہ کہ آیا وہ اسی جگہ متوطن ہوئیں جہاں کہ پہلے پہل ٹھہری تھیں یا کسی اور جگہ۔

قرآن مجید میں ان امور کی بابت کچھ تذکرہ نہیں ہے لیکن بعض ملکی روایتوں اور چند حدیثوں میں اس کا بیان ہے وہ حدیثیں غیر سند ہیں اور اس وجہ سے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا اور جو کہ مقامی روایتوں میں ان واقعات کو جو مختلف موقعوں پر واقع ہوئے تھے خلط ملط کر دیا ہے اس لئے ان پر اعتبار نہیں ہو سکتا پس ہمارے نزدیک اول سوال کی نسبت جو کچھ توریت مقدس میں لکھا ہے اس سے زیادہ بحث کرنی فضول ہے توریت میں لکھا ہے کہ اس نے یعنی ابراہیم نے اس کو یعنی ہاجرہ کو روانہ کر دیا اور وہ چلی گئی اور بیابان بیرشبع میں پھرتی رہی۔ (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۱۴۔)

دو باقی ماندہ سوالوں کے باب میں توریت مقدس کی عبارت اس طرح پر ہے کہ ایک جگہ پر لکھا ہے: "اور وہ یعنی اسمٰعیل بڑا ہوا اور بیابان میں سکونت پذیر ہوا اور ایک تیرانداز ہو گیا (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۲۰) اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ "اس نے یعنی اسماعیل نے بیابان فاران میں سکونت اختیار کی (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۲۱) توریت کا کوئی مفسر بیان نہیں کرتا اور نہ ملکی روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل پہلے کسی ملک میں آباد ہوئے ہوں۔ اور پھر کسی اور ملک میں چلے گئے ہوں اسلئے

یہ بات تسلیم کرنی ضرور ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ جس حصہ ملک میں آباد ہوئی تھیں اسی میں آباد رہیں پس توریت میں جہاں صرف بیابان میں آباد ہونے کا ذکر ہے اس سے بیابان فاران ہی مراد ہے جس کی تصریح دوسرے درس میں کی گئی ہے پس ان سوالوں کا حل کرنا اس بات کی تحقیق پر منحصر ہے کہ بیابان فاران جہاں کہ حضرت اسمٰعیل کا سکونت پذیر ہونا بیان کیا گیا ہے کون سی جگہ ہے۔

مشرقی جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ تین مقام بنام فاران موسوم ہیں اول وہ مقام اور اس کے گرد و نواح کے پہاڑ جہاں اب شہر مکہ واقع ہے کیونکہ اس زمانے میں وہ بیابان تھا دوم وہ پہاڑ اور گاؤں جو مشرقی حصہ مصر یا عرب الحجر میں واقع ہے، سوم ایک ضلع جو سمرقند کی نواح میں واقع ہے۔

مجھے معلوم نہیں ہے کہ کسی غیر ملک اور مذہب کے مورخ نے فاران اور حجاز کو جہاں اب مکہ معظمہ واقع ہے ایک ہی قرار دیا ہو لیکن عربی ترجمہ توریت سامری میں جس کو آر کوئی ٹن صاحب نے ۱۸۵۱ء عیسوی میں بمقام لگڑ ٹی بٹا درم چھپوایا ہے اس میں فاران اور حجاز سے ایک ہی جگہ مراد لی ہے۔

اور فاران کے لفظ کے آگے حظوط ہلالی میں حجاز کا لفظ لکھ دیا ہے۔

عموماً عیسائی مورخ اس بات کو کہ فاران اور حجاز ایک ہی جگہ

سے مراد ہے۔ تسلیم نہیں کرتے اس تسلیم نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ اگر وہ اس کو تسلیم کرلیں تو اس بات کی تسلیم بھی لازم آتی ہے کہ جو پیشگوئی توریت میں فاران کی نسبت بیان ہوئی ہے بلاشبہ اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا مراد ہے۔

بہرحال ان مصنفوں کا فاران کی نسبت مختلف طرح کا بیان ہے۔

اول یہ کہ بعض کہتے ہیں کہ فاران وہ وسیع قطعہ زمین ہے جو بیر شبع کی شمالی حد سے لے کر کوہ سینا تک چلا گیا ہے اور فاران کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی حدود اربعہ عموماً یہ بتلاتے ہیں۔ شمال میں کنعان جنوب میں کوہ سینا۔ مغرب میں مصر اور مشرق میں کوہ سعیر۔ اس میں بیشمار چھوٹے چھوٹے بیابان ہیں جن کو ملا کر کل بیابان بنتا ہے اور وہ چھوٹے چھوٹے بیابان علیحدہ علیحدہ ناموں سے معروف ہیں مثلاً شور، بیر شبع ایثام۔ سین۔ زین۔ عیدام وغیرہ

دوم۔ بعض مصنفوں کا بیان ہے کہ قادیش جہاں کہ حضرت ابراہیم نے ایک کنواں موسوم بہ بیر شبع کھودا تھا اور فاران ایک ہی مقام ہے۔

سوم۔ بعضوں کی یہ رائے ہے کہ فاران اس بیابان کا نام ہے جو کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہے۔ بیشمار عمارتوں اور پرانی قبروں

---

[1] یہ ایک ایسا نام ہے جس کا اطلاق توریت میں اس سارے صحرا پر معلوم ہوتا ہے جو کہ یہودیہ کی سرحد سے لیکر حوالی سینا تک پھیلتا ہے جو کہ ہم فاران کو حوالی سینا کے جنوب کے قطع میں (سفر اعداد باب ۱۰ درس ۱۲) اور شمالی جانب قادیش سے۔ بقیہ صفحہ 119 پر

اور میناروں وغیرہ کے آثار وہاں اب بھی پائے جاتے ہیں۔ مسٹر روبرٹسن کا بیان ہے

لہ (سفر اعداد باب ۱۳ درس ۲۶) ملحق اور اور جگہ بھی پاتے ہیں۔ اس لئے اس بات کا فرض کر لینا کہ فاران اس تمام قطعہ کا نام تھا جو ان حدود سے محدود ہے آسان معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ مقابل کے دو قطعوں کا ایک ہی نام قرار دیں اس لحاظ سے وہ وقت جو اس نام کی صحیح صحیح تطبیق میں عارض ہوتی تھی ظاہر ہو گئی ہے جبکہ یہ دیکھا جائے کہ جب صداگانہ مقامات جو مختلف مصنفوں نے اس کے واسطے قرار دئے ہیں اس قدر سے وسیع قطعہ میں مجتمع ہوتے ہیں جو کہ ہمارے نزدیک اس کا مصداق ہے یہ نام وادی فاران میں بھی بخوبی موجود ہے جو سینائے اسفل کا ایک وادی ہے اور جس میں ہو کر بنی اسرائیل ہنگام کوچ بجانب ممالک اعلیٰ گزرتے تھے (کتوز سائیکلوپیڈیا آف بائبل)

ایک بیابان فلسطین کے جنوب کی جانب جہاں کہ حضرت اسمٰعیل سکونت پذیر ہوئے تھے (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۲۱) جس کے مغرب میں ملہال اور ریلق شمال میں یہودیہ کے جنوبی پہاڑ اور مشرق میں قادیش کا بیان اور اس کے پہاڑیہ ایل پاران یا بیابان پاران ہے (سفر تکوین باب ۱۴ درس ۶) نیز وہ ملک جس کے بعض اقطاع میں موسم برشکال میں گھاس اور سبزہ بہت ہوتا ہے جہاں کہ حضرت ابراہیم نے بود و باش اختیار کی تھی۔ قادیش اور شور کے مابین اور جہاں کہ بنی اسرائیل کا قادیش کو جاتے وقت گزر ہوا تھا (سفر اعداد باب ۱۲ درس ۶) باب ۱۳ درس ۲۸) بیابان فاران سے مراد ان پہاڑوں کے بھی ہو سکتی ہے جو اس میدان کے مشرق کی جانب اور بیابان قادیش کے جنوب کی طرف واقع ہیں یا بیابان قادیش یا بیابان فاران بھی میدان ملحق کی وجہ سے کہلاتا تھا جسطرح وہ بھی قادیش کے نام سے بوجہ چشمہ قادیش کے مشہور تھا (بیلز بائبل ڈکشنری)

کہ میں نے ایک کلیسا کے نشانات جو پانچویں صدی عیسوی میں بنایا گیا ہوگا۔ دریافت کئے اور ان کا یہ بھی بیان ہے کہ چوتھی صدی میں اس مقام پر عیسائی آباد تھے اور ایک سڑک بھی وہاں رہتا تھا ان بیانات کی تصدیق کرنے میں اس بات کے خیال میں کہ یہ شہر اس شہر سے مطابقت رکھتا ہے جس کا مشرقی مورخوں نے مشرقی کنارے مصر پر موجود ہونا بیان کیا ہے ہمیں کچھ بھی لازم نہیں ہے۔

مگر یہ سب بیانات درست نہیں ہیں جن کی غلطی ہم ثابت کریں گے اگرچہ پہلے دو بیانات کی تائید میں کسی قسم کی شہادت موجود نہیں ہے اور اس لیے ان کی نسبت صرف یہ کہہ دینا کہ وہ ثابت نہیں ہیں کافی تھا لیکن ہم اس غرض سے کہ ان کے غلط ہونے میں کچھ شبہ باقی نہ رہے ہم ان کی تردید کرتے ہیں۔

اول بیان کی تردید کے لئے یعنی اس بیان کی تردید کے لئے جس میں فاران کو ایک وسیع بیابان قرار دیا ہے اور اس میں چھوٹے چھوٹے بیابان مثل شور اور سینا وغیرہ کے شامل کئے ہیں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ اس کی تردید میں توریت مقدس کی چند آیتیں نقل کردیں کیونکہ ان سے صاف منکشف ہوتا ہے کہ فاران خود ایک جداگانہ بیابان ہے۔ اور گرد و نواح کے بیابان اس میں شامل نہیں۔

(۱ الف) بنی اسرائیل از بیابان سینی کوچ نمودند و در بیابان پاران ساکن شد (سفر اعداد باب ۱۰ درس ۱۲) اس عبارت سے جسکا مطلب

یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے بیابان سینا سے کوچ کیا اور بیابان فاران میں مقام کیا قرار واقعی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں بیابان ایک دوسرے سے علیحدہ اور جداگانہ بیابان تھے۔

(ب) "پس در سال چہاردہم کدرلاعومر و ملوکے کہ بہمراہش بودند آمدہ رفائیاں راکہ در عشتروت قرنیم و زوزیاں را در ہام و ایمیاں را در شاوہ قریاتایم شکست دادند و نیز حوریاں را در کوہ خودشاں سعیر تا ایل پاراں کہ در نزدیک صحراست۔" (سفر تکوین باب ۱۴ درس ۵ و ۶)

پس جب تک کہ بیابان فاران کو ایک علیحدہ مقام نہ تسلیم کیا جاوے اس درس کی عبارت مہمل ہو جاتی ہے۔

(ج) "وخداوند موسیٰ را خطاب کردہ گفت کہ مردمانے بہ سفر است تا آنکہ زمین کنعان را کہ بنی اسرائیل مے دہم تجسس نمایند از ہر سبط آبائے ایشاں یک نفرے کہ در میان ایشاں سرور باشد بفرستید۔ پس موسیٰ ایشاں را بہ فرمان خداوند از بیابان پاراں فرستاد و آں مردمان ہمگی رؤسائے بنی اسرائیل بودند۔ (سفر اعداد باب ۱۳ درس ۱ و ۲ و ۳)

(د) وروانہ شدہ پیش موسیٰ و ہارون و تمامی جماعت بنی اسرائیل در بیابان پاران بہ قادیش رسیدند و بہ ایشاں و ہم بہ تمامی جماعت خبر رسادند و ہم بہ ایشاں میوۂ زمین را نمودند۔ (سفر اعداد باب ۱۳ درس ۱۲۶)

(ہ) کہ گفت خداوند از سینی بر آمد و از سعیر بر ایشاں تجلی کردو از کوہ پاران درخشندہ شد و با ہزار ہزاراں مقدساں ورود و نمود و از

دست راستش به ایشاں شریعتے آتشیں رسید۔" (سفر توریہ مثنے باب ۳۳ درس ۲)

(و) "خداوند از تیمان و قدوس از کوہ پاران آمد۔ سلاہ جلالش آسماں ہارا مستور کرد و زمین از حمدش پر شد۔" (کتاب حبوق باب ۳ درس ۲)

(ز) "و از مدیان برخاستند و به پاران آمدند و مردمان چندے از پاران به ہمراہ خود شاں گرفتند و به مصر به خدمت فرعون بادشاہ مصر آمدند (کتاب اول ملوک باب ۱۱ درس ۱۸)

اور دوسرے بیان کی یعنی اس کی کہ قادیش اور فاران ایک ہی مقام ہے۔ توریت مقدس کے مندرجہ ذیل درسوں سے تکذیب ہوتی ہے۔

(الف) و نیز حوریان را در کوہ خود شاں سعیر تا ایل پاراں کہ در نزدیک صحراست و برگشتہ به ایں مشیاط کہ قادیش است آمدند و تمامی مرز و بوم عمالیقاں و ہم اموریانی کہ در حصصون تامار ساکن بودند شکست دادند۔" سفر تکوین باب ۱۴ درس ۶ و ۷)

یہ ظاہر ہے کہ جب تک قادیش اور فاران دو جداگانہ اور مختلف بیابان نہ قرار دیئے جاویں درس مذکورہ بالا کہ کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

(ب) و روانہ شدہ پیش موسیٰ و ہارون و تمام جماعت بنی اسرائیل در بیابان پاران بقادیش رسیدند و به ایشاں و ہم بتمامی جماعت خبر رساندند و ہم به ایشاں میوہ زمین را نمودند۔" (سفر اعداد باب ۱۳ درس ۲۶)

اس درس میں جن لفظوں کے نیچے لکیر کر دی ہے ان کے ترجمہ میں

ہم کو شبہ ہے اس لئے ہم اصلی عبری عبارت اور اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ عربی کا جو ۱۶۷۱ء عیسوی میں مع لیٹن ترجمہ کے چھپا ہے اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

(وحتی موا الی موسیٰ وھارون وجماعۃ بنی اسرائیل الی البریۃ فاران الی قادس سفر العدد الاصحاح ۱۳-۲۶)

اصل عبری عبارت میں صرف یہ لفظ ہیں ال مدبر فاران قادیش عربی زبان میں جو قاعدہ بدل اور مبدل منہ کا ہے وہ عبری زبان میں نہیں ہے اور اس لئے فاران اور قادیش بدل اور مبدل منہ نہیں ہو سکتے۔ اور ضروریہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لفظ مقدر مانا جائے فارسی مترجم نے حروف ب کو مقدر مانا ہے اور بہ قادیش ترجمہ کیا ہے اور عربی مترجم نے "الی" مقدر مانا ہے اور الی قادیش ترجمہ کیا ہے اور لیٹن کے مترجم نے جو لفظ مقدر مانا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔ جو کہ ہے بیچ قادیش کے ملا کر عربی قدیم ترجمہ صحیح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ فاران کے ماقبل بھی ال یعنی "اے" کا لفظ آیا ہے اور وہی لفظ قادیش پر سے محذوف کر دیا ہے پس اس ترجمہ کے مطابق معنے یہ ہوتے ہیں کہ آئے بیابان فاران کی طرف قادیش کی طرف سے یعنی قادیش کے رستے سے اس صورت میں صریح ظاہر ہوتا ہے کہ فاران اور قادیش دو مختلف مقاموں کے نام ہیں اور اسی کی تائید سفر تکوین کے درسوں سے ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

اب ہم کو تیسرے فاران پر غور کرنا چاہیئے جس کا کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہونا بیان ہوا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہاں ایک مقام ہے جو فاران کے نام سے مشہور ہے مگر سوال یہ ہے کہ آیا وہ وہی بیابان ہے جس کا ذکر سفر تکوین میں آیا ہے کہ حضرت اسماعیل صحرائے بیرشبع میں سرگردانی کے بعد وہاں آکر ٹھہرے تھے اور کیا وہ وہی مقام ہے۔ جہاں حضرت اسمٰعیل فی الحقیقت متوطن ہوئے تھے۔ اس لئے کہ اگر از روئے تجسس اور تفتیش کے یہ ثابت ہو جاوے کہ حضرت اسمٰعیل وہاں متوطن نہیں ہوئے تھے تو اس سے لازم آوے گا کہ یہ فاران وہ فاران نہیں ہے جس کا سفر تکوین میں ذکر آیا ہے۔

کوئی ملکی روایت ایسی موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ حضرت اسمٰعیل نے اس جگہ سکونت اختیار کی تھی۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر جو اسی مقام کو حضرت اسمٰعیل سکونت کی جگہ خیال کرتے ہیں اور جس قدر دلائل اس کی تائید میں لاتے ہیں وہ کسی قسم کی شہادت پر مبنی نہیں ہیں مگر ہم اس فرض سے کہ ان کے غلط ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے ان دلیلوں کی غلطی بیان کرتے ہیں۔

مصنف موصوف نے سفر تکوین باب ۲۵ درس ۱۸ پر جس کی یہ عبارت ہے "وایشان ڈانہ حویلاہ تاشور کہ بنگام رفتن توبہ اشور دربرابر مصر است ساکن بودند مسکن او در حضور تمامی برادرانش افتاد" استدلال کرکے بیان کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے وعدے اسی میں ایفا ہو گئے تھے

جبکہ اسماعیلیوں کی آبادی شور سے حویلاہ تک انتہائے عرب میں یعنے سرحدِ مصر سے لیکر دہانہائے فرات تک پھیل گئی تھی۔

اول غلطی صاحب موصوف کی یہ ہے کہ حویلاہ کو دہانہائے[1] فرات پر قرار دیا ہے۔ اصل حویلاہ جس کے بانی کا نام سفر تکوین باب ۱۰ ادرس ۲۹ میں مذکور ہے۔ نواح یمن میں عرض بلد شمالی ۷ ادر ۳۰ دقیقہ اور

---

[1] رورنڈ مسٹر فارسٹر صاحب حویلاہ کی سکونت کی نسبت لکھتے ہیں کہ عرض حویلاہ جو حضرت موسیٰ کے پہلے صحیفہ میں مذکور ہے وہ حصہ عرب کا مراد ہے جو دہانہائے فرات سے ملحق ہے اور جنوب کی جانب ساحل خلیج فارس کے برابر چلا گیا ہے یہ بیان اس بنا پر ہے اگرچہ ہمارے نزدیک قابلِ وقعت نہیں ہے کہ جزائر بحرین میں سب سے مشہور جزیرے "اوال" کے نام میں اصلی نام حویلاہ کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس دلیل کے استحکام میں صاحب موصوف بیان کرتے ہیں کہ آگے آنے والی مثالوں سے عربی زبان کے استعمال میں جو مختلف تصرفات اس نام میں ہوئے ہیں معلوم ہوں گے جیسے اوال۔ اوال۔ حویل۔ حویلاہ۔ خط۔ حولان۔ چول۔ چولان۔ ان لفظوں میں سے بعضے لفظ ایک ہی جگہ یا ضلع کے مختلف نام ہیں۔ ایسے عظیم سوالات کا اس طرح پر حل کرنا اور ان کے نتائج کا استنباط کرنا کامل اور نا صرف دارانہ تحقیقات کے قواعد معینہ کے مطابق صحیح نہیں ہے اور اسی لئے وہ قابل وقعت نہیں ہیں اور اسی باعث سے ہم نے کہا ہے کہ رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بیان میں غلطی کی ہے علی الخصوص اس وجہ سے کہ یہی نام پورا پورا عرب کے دوسرے حصہ میں مشہور ہے۔

طول بلد مشرقی ۴۲ درجہ ۳۶ دقیقہ پر واقع ہے اور اس کی کامل تصدیق عرب کے اس نقشہ کے معائنہ سے ہو سکتی ہے جو عرب کے جغرافیہ کی شکل کے مطابق ہے۔ واکر صاحب کے نقشے کہاں سے چھوٹا کر کے بنایا گیا ہے اور اسی کے ساتھ شام اور مصر کے ان اقطاع کو بھی زیر نظر رکھنا چاہئے جن کا نقشہ رود نلڈ کارفوٹ پی کیرے۔ ایم۔ اے نے مرتب کیا ہے دوسری غلطی یہ ہے کہ مصنف موصوف نے اور عیسائی مورخوں اور جغرافیہ دانوں کی تقلید اختیار کر کے "شور" کو عرب الحجر کے مغرب میں قرار دیا ہے جہاں کے صحرائے ایثام واقع ہے اور یہ قطعی غلطی ہے کیونکہ صحرائے شور سے توریت مقدس میں مراد تمام اس وسیع میدان سے ہے جو شام سے لے کر جانب جنوب ملک مصر تک منتہی ہوتا ہے۔

اصل عبری توریت میں دو نام ہیں شور۔ اور۔ اشورا۔ بغیر الحاق لفظ صحرا کے موجود ہیں ان دونوں ناموں میں سے شور سے مراد شام اور آشورہ سے مراد اسریا ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ بنی اسرائیل اس وسیع قطعے میں آباد ہوئے تھے۔ جو شمالی حدود یمن سے جنوبی سرحد شام تک منتہی ہوتا ہے یہ جگہ اب بنام حجاز معروف ہے اور فاران سے مطابقت رکھتی ہے ہمارے اس نتیجہ کی اس امر سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہی سرزمین ٹھیک مصر کے سامنے واقع ہوتی ہے اگر کوئی شخص وہاں سے اسریا کی جانب عزیمت کرے اور توریت مقدس کی اس آیت کی کما حقہ تصدیق ہوتی ہے۔

جہاں لکھا ہے جو کہ سامنے مصر کے ہے اگر تو اسریا کی طرف روانہ ہو یعنی مصر کے سامنے ہے۔ اگر تم ایک خط مستقیم وہاں سے اسریا تک کھینچو۔ فاران کی حدود اربعہ جو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے بحوالہ ڈاکٹر ولز کے قرار دی ہیں کہ اس کے مغرب میں بیابان شور ہے اور مشرق میں کوہ سیعیر اور شمال میں عرض کنعان اور جنوب میں بحر احمر یہ حدود بھی بالکل غلط ہیں۔

سینٹ پال حواری نے جو خط گلاتیوں کے نام لکھا ہے اس کے چوتھے باب میں بائیسویں درس سے چھبیسویں درس تک یہ عبارت مندرج ہے۔ یہ لکھا ہے کہ ابراہیم کے دو بیٹے تھے۔ ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے وہ جو لونڈی سے تھا۔ جسم کے طور پر پیدا ہوا اور جو آزاد سے تھا سو وعدے کے طور پر پیدا ہوا۔ اس کے یہ معنے ظاہر ہیں کہ یہ عورتیں دو عہد نامے ہیں ایک تو کوہ سینی کی جو صرف غلام جنتی ہے ہاجرہ ہے کہ وہ ہاجرہ عرب کوہ سینی ہے اور یہاں کے یروشلم کی ہم جنس ہے اور اپنے لڑکوں کے ساتھ غلامی میں ہے پر اوپر کی یروشلم آزاد ہے سو ہم مسیحیوں کی ماں ہے اس پر رورنڈ مسٹر فارسٹر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوہ سینا اور ہاجرہ ایک ہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول خود مصنف موصوف کا ہی قول ہے کیونکہ جہاں تک ہمکو واقفیت ہے ہم کسی عیسائی مصنف کا قول اس کے مطابق نہیں پاتے ہیں۔ کوئی مشرقی مصنف یا جغرافیہ دان ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے کوہ سینا

اور ہاجرہ کو ایک ہی سمجھا ہو اور نہ انجیل مقدس کی کسی آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کوہ سینا اور ہاجرہ سے ایک شے مراد ہے سنٹ پال حواری کا اصلی منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے کوہ سینا پر دو معاہدے کیے گئے تھے۔ ایک حضرت اسحٰق کے ساتھ دوسرا حضرت اسمٰعیل پسر ہاجرہ کے ساتھ سنٹ پال حواری نے کنایتاً فرمایا کہ یہ ہاجرہ کوہ سینا ملک عرب میں ہے یعنی یہ ہاجرہ یعنی بنی ہاجرہ وہ معاہدہ ہے جو کوہ سینا پر بھی کیا گیا تھا۔ اور شلیم کا ہم پایہ ہے جو بالفعل موجود ہے اور اس کی اولاد کے ساتھ غلامی میں ہے عبارت مذکورہ بالا کو اس طرح پر پھیرنا کہ اس کے معنی سے ہاجرہ اور سینا کا مقام واحد ہونا ثابت ہو جاوے بالکل غیر ممکن ہے۔

کتاب اول تواریخ ایام باب ۵ درس ۹ و ۱۰ میں بعض اقوام بنی اسرائیل کے آباد ہونے کے ذکر کے ساتھ یہ عبارت مندرج ہے "و به طرف شرقی تا مدخل بیابان که به کناره نهر فرات باشد ساکن مے شدند زیرا که در زمین گلعاد گله هائے ایشاں زیادے شدند و در زمان شاول ایشاں با هگریاں دعوے کردند که آنها به دست ایشاں افتادند و در چادر هائے ایشاں در تمامی مرزد بوے که به طرف گلعاد باشد ساکن شدند"

ان درسوں پر استدلال کرکے رورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ گلعاد کے شرقی نواح جو رود فرات اور خلیج فارس کی سمت میں ہے

حضرت اسمٰعیل کے ابتدائی مقام سکونت سے مطابق ہوتا ہے ایک عرصہ کے بعد حضرت اسمٰعیل کی اولاد قریب قریب سارے جزیرے نمائے عرب میں پھیل گئی اور انھیں سے بعض لوگ مقام متذکرہ بالا قدیمی باشندوں سے چھین کر وہاں جا بسے۔

مگر ان درسوں سے جو مقصد رورنڈ مسٹر فارسٹر کا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اُن سے صرف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بنی ہاجرہ نے سواحل خلیج فارس پر شکست پائی اور یہ شکست آٹھ سو برس بعد حضرت اسمٰعیل کے واقع ہوئی تھی اُن درسوں سے یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ یہ وہی جگہ تھی جہاں خود حضرت اسمٰعیل متوطن ہوئے تھے ؛

رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے ثابت کرنیکے لئے کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد نے خلیج فارس کے شمالی سمت سے لے کر یمن تک تمام ملک پر قبضہ کر لیا تھا مختلف مقامات کے ناموں کی بنی ہاجرہ کے ناموں کے ساتھ مطابقت کرنے میں از حد کوشش کی ہے بعض مطابقتیں اس طرح پر کی ہیں جن پر اعتبار نہیں ہو سکتا اور بعض میں اپنے معمولی قاعدے کے مطابق صرف ایک حرف کے مطابق ہو جانے کو کافی سمجھا ہے اور بعض ناموں کے مطابق کرنے میں اُن کو کامیابی بھی ہوئی ہے۔ لیکن جس امر کے قائم کرنے میں رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس قدر جاں فشانی سے ناکام کوشش کی ہے دو وجہ سے قابل التفات اور لائق توجہ نہیں ہے ؛

اول یہ کہ ہمارے نزدیک بھی حضرت اسمٰعیل کی اولاد جنے

اُن کے بارہ نامور بیٹے اور اُن بیٹیوں کی اولاد صرف اُس تنگ قطعہ زمین میں محصور نہیں رہی جو مکہ معظمہ کے گرداگرد ہے۔ بلکہ امتداد زمانہ میں اُنکی اولاد قریب قریب تمام جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی تھی۔ مشرقی مورخ بھی اس کے قائل ہیں جیسا کہ عبارت مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔ پس یہ امر متنازعہ فیہ نہیں ہے :-

ولما کثر ولد اسمٰعیل صلی اللہ علیہ وسلم ضاقت علیھم مکۃ فانتشروا فی البلاد فکانوا لا یحلون بلدًا الا اظھرھم اللہ علیٰ اھلہ وھم لغۃ العمالیق۔

معارف ابن قتیبۃ۔

دوم اس لئے کہ اس معارف پر یہ امر بحث طلب نہیں ہے کہ امتداد زمانہ کے بعد حضرت اسمٰعیل کی اولاد کہاں کہاں پھیل گئی تھی۔ بلکہ اصل بحث یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور اُن کی اولاد ابتدا میں کس جگہ آباد ہوئی تھی۔ پس جو کچھ کہ رورنڈ مسٹر فارسٹر نے لکھا ہے اُس سے امر بحث طلب کچھ علاقہ نہیں ہے :-

اب ہم اس امر کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کتب خمسہ حضرت موسیٰ میں اُس فاران کا جو مشرقی مصر میں کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہے کچھ بھی ذکر نہیں ہے اور یہ امر اُس وقت بخوبی واضح ہو جاتا ہے جبکہ حضرت موسیٰ اور اُن کے ہمراہیان بنی اسرائیل کی صحرا نوردیوں کے مقامات پر لحاظ کیا جاوے سفر خروج باب ۵ اور س ۲۲ میں لکھا ہے "پس موسےٰ اسرائیلیاں را از دریائے

اگر کوچا ینا۔ وہ بیابان شور تلذ۔ وسہ روز در بیابان راہی شدہ آب نیافتند۔
اور جب کہ اُنہوں نے بیابان سین کو طے کیا تب عمالیق کی قوم آئی اور
رفیدیم میں بنی اسرائیل سے لڑی۔ دیکھو۔ (سفر خروج باب ۱۷ اور س ۸)۔
بنی عملیق قدیم رہنے والے رفیدیم کے نہیں تھے۔ بلکہ اُس وادی کے
رہنے والے تھے جس کا ذکر سفر اعداد باب ۱۴ اور س ۲۵ میں ہے اور اس درس
میں بھی جو لفظ "آئے" کا استعمال ہوا ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ
رفیدیم کے رہنے والے نہ تھے ؛

یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ رفیدیم سینا کے جانب مغرب یعنے مشرقی مصر
میں واقع ہے۔ اور یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ نے اپنے اعجاز سے ایک
چٹان میں سے پانی کا چشمہ نکالا تھا اور اُس کا نام "مسادہ" اور "مریبا" رکھا تھا۔
(دیکھو سفر خروج باب ۱۷ اور س ۶ و ۷) اور اسی جگہ حضرت موسےٰ نے ایک
قربان گاہ بنائی تھی اور اُس کا نام "یہوواہ نسی" رکھا تھا۔ دیکھو سفر خروج
باب ۱۷ اور س ۱۵ ؛

حضرت موسیٰ اب آگے کو مشرق کی طرف بڑھے اور صحرائے سینا
میں پہنچ کر کوہ خدا کے پاس ڈیرے ڈالے اور اسی مقام پر اُن کے خسر مدین
یترو کاہن اُن سے ملنے کو آئے (دیکھو سفر خروج باب ۱۸ اور س ۵ و باب
۱۹ اور س ۲) ؛

اس میں کچھ شک نہیں کہ یترو کاہن حضرت موسےٰ کے خسر کوہ سینا
کے مشرق کی جانب سے آئے تھے۔ کیونکہ مدیان جہاں کہ وہ کاہن تھا آپکے

مشرق کی سمت میں واقع ہے۔ اس تمام سفر میں جو حضرت موسیٰ نے مصر سے سیناتک کیا فاران کا کچھ ذکر نہیں آیا۔

سیناسے بنی اسرائیل کا کوچ شمالی مشرق کی سمت میں تھا۔ اس سفر کے باب میں سفر اعداد باب ۱۰ آیت ۱۲ میں یہ لکھا ہے "و بنی اسرائیل از بیابان سینی کوچ نمودند و برادر بیابان پاران ساکن شد" حضرت موسیٰ نے اس سفر میں پہلی منزل اس مقام پر کی تھی جس کا نام "تبعیراہ" تھا۔ (دیکھو سفر اعداد باب ۱۱ آیت ۳) پھر وہاں سے "قبروت ہتاواہ" کو روانہ ہوئے اور وہاں سے "حصیروث" کو کوچ کیا۔ (دیکھو سفر اعداد باب ۱۱ آیت ۳۴ و ۳۵) اور اس اخیر مقام سے کوچ کر کے بیابان پاران میں داخل ہوئے (دیکھو سفر اعداد باب ۱۲ آیت ۱۶) چونکہ یہ پاران وہی جگہ ہے جہاں ابر کا ٹھہرنا بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے کچھ شک نہیں کہ حضرت موسیٰ کا کوچ شمالی اور مشرقی سمت میں تھا یعنی قادیش کی طرف (دیکھو سفر اعداد باب ۱۳ آیت ۲۶) اور اسلئے وہ فاران جس کا ذکر حضرت موسیٰ نے کیا ہے، سینا کے مغرب کی جانب نہیں ہو سکتا۔

پس بہ آسانی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ شہر فاران جس کو روپر صاحب نے بیان کیا ہے اور جس کے آثار انہوں نے پائے ہیں اور جو مشرقی مورخوں کی نظر سے چھپا ہوا نہیں تھا، حضرت موسیٰ کے زمانے میں موجود نہ تھا۔ اور یہ کب خیال میں آسکتا ہے کہ ایسے

بیابان کی نسبت حضرت موسیٰ نے بیان کیا ہے کہ بیابان وسیع اور ہولناک کہ دراں مار سوزندہ و عقرب و زمین خشک بے آب بود" اس زمانے میں کوئی شہر موجود ہو۔ (دیکھو سفر تثنیہ باب ۸ درس ۱۵)

عیسائی مصنفوں نے بیابان فاران کا جو مقام قرار دیا ہے اس پر اعتبار کرنا حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی صحرائے نوردی کے بیان کی صحت پر منحصر ہے۔ اور اس امر کی نسبت کہ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل صحرا نوردی کی حالت میں کن کن مقاموں پر ہو کر گزرے تھے۔ خود عیسائی علماء اور مفسرین میں اسقدر اختلاف ہے کہ اس قدر اختلاف شاید ہی کسی اور امر کی نسبت ہو۔ اس مقام پر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کا ایک نقشہ شامل کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ خود علماء عیسائی نے پانچ مختلف رستے صحرا نوردی کے بیان کئے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی نسبت بطور یقین کے بیان کیا جا سکے کہ درحقیقت ان پانچوں میں سے صحرا نوردی کا کون سا صحیح رستہ ہے۔

فاران پسر عوث کی اولاد بنی فارن کے نام سے مشہور تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانے کے بعد کسی وقت میں کچھ لوگ اس قبیلے کے یمن والوں اور قرب وجوار کی قوموں کے ساتھ دائمی جھگڑوں اور حصتوں کے سبب سے شمال اور مشرقی سمت کو چلے گئے ہوں گے اور کوہ سینا کی مغرب کی جانب مشرقی مصر میں قیام کیا ہوگا۔ جہاں رفتہ رفتہ ایک

گاؤں یا قصبہ اسی قوم فاران کے نام سے آباد ہو گیا ہوگا۔ جس کا ذکر روپر صاحب اور مشرقی مورخوں نے کیا ہے۔ مگر حضرت موسیٰ کے وقت میں اس کا کچھ وجود نہ تھا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے ہم نام بیابان یا پہاڑ سے جس کا ذکر توریت میں ہے بالکل علیحدہ ہے۔

اگر بیابان فاران سے وہ سارا وسیع میدان مراد لیا جاوے جو شام سے یمن تک چلا گیا ہے جیسا کہ خود کتاب مقدس میں موجود ہے اور صرف ملکی روایتیں ہی اس کی تائید نہیں کرتیں بلکہ مشرقی مورخ بھی اس کے موید ہیں تب حضرت موسیٰ کے کوچ کے تمام بیان کی تطبیق ہو جاتی ہے۔ اور اس کی صحت کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

اس تمام وسیع میدان پر جو شام کے جنوب میں واقع ہے کاتبین مقدس عموماً عرض شور کا اطلاق کرتے ہیں مگر بعض مقام میں اس کو صرف بیابان سے تعبیر کیا ہے (دیکھو سفر خروج باب ۱۳ درس ۱۸) اور بعض جگہ "بیابان عظیم" سے (دیکھو سفر توریہ مثنیٰ باب ۸ درس ۱۵) اور اس بیابان میں ایتام۔ سین۔ سینا۔ سن۔ قادیش۔ ایدام جو چھوٹے چھوٹے بیابان ہیں اور نیز ایک حصہ فاران کا شامل ہے۔

جو کچھ کہ ہم نے اوپر بیان کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے شور اور شام کو ایک ہی ملک قرار دیا ہے (سفر تکوین باب ۲۵ درس ۱۸) میں دو نام آئے ہیں۔ ایک شور اور دوسرا اشورا۔ تمام عیدائی مصنف اشورہ کو

"اسریا" سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ شور سے شام مراد ہے اگر کوئی اس سے انکار کرے تو اس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس تطبیق کا تسلیم کرنا اسلام کے مفید طلب ہے کیونکہ سفر توریہ مثنے باب ۳۳ درس ۲ اور کتاب حقوق باب ۳ درس ۳ میں جو پیشینگوئی ہے وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صادق آتی ہے۔

ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاران کی شمالی حد پر قادیش اور مغربی حد پر صحرائے سن اور خلیج عرب واقع ہے جبکہ حضرت موسیٰ سینا سے روانہ ہوئے تو ابر قادیش کے نزدیک فاران میں ٹھہرا (دیکھو سفر اعداد باب ۱۰ درس ۱۲) اور حضرت موسیٰ سے "بتیرہ" قبروس تہاوہ اور حصیروث ہو کر فاران میں آئے۔ جو قادیش کے نواح میں ہے اس جگہ سے انہوں نے ایلچی روانہ کئے۔ جو واپس آتے وقت اول قادیش میں پہنچے اور اس کے بعد فاران میں یہ ایک سیدھا اور صاف بیان ہے جس سے حضرت موسیٰ کے فاران میں سفر کرنے کا معمہ بخوبی حل ہو جاتا ہے۔

اب ہم توریت مقدس کے ان درسوں پر غور کریں گے جو حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کے نکال دینے کے باب میں ہیں (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۱۴ و ۱۵) میں لکھا ہے کہ "ابراہیم در صبحدم سحر خیزی نمودہ نان و مشکیزہ آب را گرفتہ و بہ ہاجرہ دادہ بہ دوش گذاشت و ہم پسر را (باد داد) او را روانہ نمودہ پس راہی شدہ در بیابان بیر شبع سرگردان شدہ و آبی کہ در مشکیزہ بود تمام شد و پسر را (در زیر بوتہ از بوتہا گذاشت

جس عبارت کے نیچے ہم نے خط کھینچ دیا ہے اس کے خواہ مخواہ یہ معنے نہیں ہیں کہ حضرت ہاجرہ بیابان بیرشبع میں ہی پھرتی رہیں اور اسی مقام پر صرف وہی پانی جو حضرت ابراہیم نے ان کو دیا تھا ان کے پاس تھا اور وہ ہی ختم ہو گیا تھا بلکہ دو وجہ سے اس درس کے ایسے معنے لینے صحیح نہیں ہیں اول اس وجہ سے کہ بیرشبع جو حضرت ابراہیم نے قادیش کے نزدیک کھودا تھا اور جس کے نواح میں وہ خود ایک عرصہ دراز تک رہے تھے ایک ایسا مقام تھا جس کے حالات اور جس کے قریب پانی کے کنوؤں کا ہونا حضرت ہاجرہ سے پوشیدہ نہ تھا۔ دوم اس وجہ سے کہ بیابان بیرشبع میں پانی کا اس قدر نایاب ہونا ناممکن تھا، کیونکہ وہاں صرف حضرت ابراہیم ہی کے بنائے ہوئے کنوئیں نہیں تھے بلکہ قوم فلسطین کے تعمیر کئے ہوئے بھی موجود تھے۔ (دیکھو سفر تکوین باب ۲۶ درس ۱۸ تا ۲۲ آیت)

ہمارے نزدیک اس عبارت کے معنی جو عیسائی مصنفوں نے قرار دیئے ہیں اس سے زیادہ تر صحیح اور صاف یہ ہیں کہ مکان سے نکلنے کے بعد حضرت ہاجرہ بیابان بیرشبع میں پھرتی رہیں مگر ملک کا وہ حصہ سکونت کے قابل نہ تھا کیونکہ بیرشبع کے ارد گرد ایسی قومیں رہتی تھیں جو لڑاکا اور جھگڑالو تھیں اور ذرا بھی رحم بھی ان کے دل میں نہ تھا اس لئے حضرت ہاجرہ نے ایسے مقام پر جانے کا خیال کیا ہوگا جہاں ان کو امن ملے اور آسائش سے رہ سکیں اور ایسا مقام بلاشبہ وہ تھا جہاں عرب العاربہ کی قومیں رہتی تھیں اور اس لئے کچھ شک نہیں رہتا کہ حضرت ہاجرہ نے

اس نواح میں جانے کا قصد کیا۔

جو ایک چھاگل پانی حضرت ابراہیم نے انکے ساتھ کر دیا تھا وہ ختم ہو گیا ہوگا اور رستے میں متعدد جگہ سے جہاں کہیں پانی دستیاب ہوا ہوگا حضرت ہاجرہ نے بھر لیا ہوگا لیکن جب وہ بیابان فاران میں پہنچی ہوں گی۔ تو پانی ملنے کی مشکل پیش آئی ہوگی۔ کیونکہ اس بیابان میں پانی نہایت کمیاب ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ہاجرہ اس مقام پر پہنچیں جہاں اب مکہ معظمہ ہے تو اُن کے پاس پانی باقی نہیں رہا تھا اور حضرت اسمٰعیل تشنگی کے سبب سے ضعیف اور قریب مرگ ہو گئے ہونگے اور حضرت ہاجرہ نہایت تشویش اور اضطراب کی حالت میں اِدھر اُدھر پانی تلاش کرنے کو دوڑتی پھرتی ہوں گی۔ یہیان ایسا صاف ہے جس میں کوئی امر خلاف قیاس یا خلاف فطرت انسانی نہیں ہے۔

خانہ بدوش عرب پانی کے چشمے کو جو ان کو جنگل میں ملتا تھا جھاڑ وغیرہ ڈال کر مٹی سے چھپا دیتے تھے۔ تاکہ ان کے سوا اور کسی کو اس کا پتہ نہ ملے اور یہ رَم پانی کے کمیاب ہونے سے ان میں جاری تھی اور اب تک جاری ہے۔

یہ بات نہایت قرین قیاس ہے کہ اسی طرح عربوں نے اس چشمے کو جو اس مقام پر تھا جہاں اب چاہ زمزم واقع ہے چھپا دیا ہوگا۔ کیونکہ لفظ "بیر" عبری میں چشمہ آب کے معنی میں بھی آیا ہے۔

ان تمام حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت ہاجرہ مضطرباً

اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں تو ان کو وہ چشمہ مل گیا۔ توریت مقدس کی عبارت سے بھی اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جہاں لکھا ہے "و خدا چشمان او را کشادہ کرد و چاہ آبے دید و روانہ شدہ مشکہ را از آب پُر کرد و بہ پسر نوشانید" (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۱۹) عربی روایتوں میں اس واقعہ کو اس طرح پر تعبیر کیا ہے کہ ایک فرشتہ نے اس مقام پر اپنے بازو یا پاؤں سے گڑھا کر دیا جس میں سے پانی نکل کر آیا۔ یہ بیان اُسی قسم کا ہے جیسا کہ مذہبی روایتوں کو ایک عظمت دینے کے لئے ہوتا ہے۔ مگر جو اصلی واقعہ ہے وہ اس سے صاف پایا جاتا ہے۔

بخاری کی حدیث ہم نے اوپر نقل کی ہے اور اس کو بجائے پیغمبر کی حدیث ہونے کے ایک قومی اور ملکی روایت کا ترجمہ پایا ہے اس سے بھی اتنی بات کہ حضرت ہاجرہ جب اس مقام پر پہنچیں جہاں اب مکہ ہے تو پانی ہو چکا اور حضرت اسماعیل تشنگی سے قریب المرگ ہو گئے تو وہاں ان کو چشمہ مل گیا۔ بخوبی ثابت ہوتی ہے پس یہ ایک ایسی روایت ہے جس کو ایام جاہلیت کے عربوں نے ہمیشہ مستند تسلیم کیا ہے اور باوجود یہ کہ وہ لوگ بے شمار قوموں اور فرقوں میں جو ایک دوسرے کے مخالف تھے اور ہر ایک کا مذہب اور اعتقاد بھی جداگانہ تھا منقسم ہو گئے تھے۔ اس پر بھی مذکورہ بالا امر میں سب متفق تھے۔ اس لئے ہم اس روایت کو چھوٹی اور موضوع نہیں خیال کرتے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ توریت مقدس کے معتقد مقامات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

بہرحال حضرت ہاجرہ نے اس مقام پر جہاں ان کو پانی کا چشمہ ملا تھا رہنا شروع کیا جب اور لوگوں کو اس چشمہ کی خبر ہوئی تو بنی جرہم کے بہت سے لوگ اس کے قرب وجوار میں آکر آباد ہوئے۔

بخاری نے حضرت اسمٰعیل کے نکاح کرنے کی بابت ایک روایت لکھی ہے جس کو ہم بجنسہٖ ذیل میں لکھتے ہیں:-

قال (ای ابن عباس) فمرّ ناس من جرهم ببطن الوادی فاذا هم بطیر کانهم انکروا اذلک وقالوا ما یکون الطیر الا علی ماء فبعثوا رسولهم فنظر فاذا هو بالماء فاخبرهم فاتوا الیها فقالوا یا ام اسمٰعیل اتاذنین لنا ان نکون معک او نسکن معک فبلغ ابنها فنکح فیهم مراة قال ثم انه بدا لابراهیم فقال لاهله فی مطلع ترکتی قال فجاء فسلم فقال این اسمٰعیل فقالت امراته ذهب یصید قال قولی له اذ جاء غیر عتبته بیتک فلما جاء اخبرته فقال انت ذلک فاذهبی الی اهلک قال ثم انه بدا لابراهیم فقال لاهله انی مطلع ترکتی فجاء فقال این اسمٰعیل فقالت امرته ذهب یصید فقالت الا تنزل فتطعم وتشرب فقال وما طعامکم وما شرابکم قالت طعامنا اللحم وشرابنا الماء قال اللهم بارک لهم فی طعامهم وشرابهم قال فقال ابو القاسم برکة من دعوة ابراهیم (صلے اللہ علیہما وسلم) قال ثم انه بدا لابراهیم فقال

لاھلہ انی مطلع ترکتی بجار فوافق اسمٰعیل من وراء زمزم یصلح بناء لہ فقال یا اسمٰعیل ان ربک امرنی ان ابنی لہ بیتا قال اطع ربک قال امرنی ان تعینني علیہ قال اذا افعل او کما قال فقاما فجعل ابراھیم یبني واسمٰعیل یناولہ الحجارۃ ویقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم قال حتی ارتفع البناء وضعف الشیخ عن نقل الحجارۃ فقام علی حجر المقام فجعل یناولہ الحجارۃ ویقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

بخاری کتاب الانبیاء۔

یہ روایت بھی انہیں وجوہات سے جو ہم نے بخاری کی پہلی حدیث کی نسبت بیان کی ہیں ایک ملکی روایت کی مانند ہے کہ پیغمبر صاحب کی فرمائی ہوئی حدیث کی مانند اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل نے ایک عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے بعد جب حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل سے ملنے کو آئے تو اس عورت سے نکاح کرنے کو ناپسند کیا۔ اور طلاق دے دینے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل نے اس کو طلاق دے دی اور وہاں کے نوآباد لوگوں میں سے ایک اور عورت سے نکاح کر لیا۔ اس کے بعد جب دوسری دفعہ حضرت ابراہیم ان سے ملنے کو آئے تو اس عورت سے نکاح کرنے کو پسند کیا۔

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی دونوں بیبیاں بنی جرہم کی قوم سے تھیں مگر توریت مقدس سے پایا جاتا ہے کہ

انہوں نے پہلی دفعہ ایک مصری عورت سے نکاح کیا تھا۔

ہم کو اس بات کے یقین کرنے کی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں جو پہلی بیوی کا بنی جرہم سے ہونا بیان کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے غالباً پہلی بیوی ایک مصری عورت تھی اور یہی وجہ ہوگی کہ حضرت ابراہیم نے اس عورت سے نکاح کرنا ناپسند کیا ہوگا۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ بنی جرہم نے ابتدا میں اپنی قوم کی بیٹی کو حضرت اسمٰعیل کے نکاح میں دینے سے تامل کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ حضرت اسمٰعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہوں گے مگر باہم سکونت پذیر ہونے سے یہ خیال جاتا رہا ہوگا۔ اور اس لئے یقین ہوتا ہے کہ ان کی دوسری بیوی بنی جرہم کی قوم سے تھیں۔

قرآن مجید میں نسبت تعمیر خانہ کعبہ کے یہ آیت موجود ہے، واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ (سورۃ البقر آیۃ ۱۲۱) اور اس سے ثابت ہوتا ہے اور تمام قومی روایتوں سے یقیناً متحقق ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے خانہ کعبہ کو بنایا تھا۔

قرآن مجید کی رو سے بغیر کسی شک کے ہم مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل پیغمبر تھے اور خدا نے ان کو مثل حضرت ابراہیم ان کے باپ کے وحی بھیجنے اور اپنی مرضی ظاہر کرنے کے لئے مبعوث کیا تھا۔ تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وحدانیت کی طرف ہدایت کریں

توریت مقدس میں جو وعدہ کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل کی نسبت کیا تھا وہ اسطرح پر مندرج ہے: "و در حق اسمٰعیل ترا شنیدم اینک اورا برکت دادہ ام و اورا بارور گردانیدہ بغایت زیاد خواہم نمود دوازدہ سرور تولید خواہد نمود و اورا امت عظیم خواہم نمود" (سفر تکوین باب ۱۷ درس ۲۰) یہ وعدہ پورا ہوا اور آخر تک پورا ہوتا چلا آیا

عیسائی مصنف اس وعدے کے ہونے کی نسبت تو کچھ کلام نہیں کر سکتے مگر از راہ مکابرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ جسمانی یعنی دنیوی طرز کا وعدہ تھا نہ روحانی طرز کا۔ اگرچہ یہ ان کا کہنا صریح غلط ہے مگر اس مقام پر ہم اس مسئلہ پر بحث نہیں کرنے کے بلکہ آئندہ خطبہ میں جس میں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارت کا توریت اور انجیل میں موجود ہونا بیان کریں گے اسی خطبہ میں اس امر پر بھی بحث کریں گے۔

ایک اور روایت عموماً لوگوں میں مشہور ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسماعیل کی قربانی کر ڈالنے کا حکم دیا تھا اس روایت کی کوئی اصلیت نہیں ہے زیادہ تر تقویت اس روایت کو ہوتی ہے جس میں حضرت اسحٰق کی قربانی کرنے کے حکم ہونے کا ذکر ہے اور اس اختلاف کا جو سبب ہے وہ ہم آگے بیان کریں گے۔

حضرت ابراہیم نے جو اپنے بیٹے کی قربانی کرنے کا ارادہ کیا اس کا

ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے۔

قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا ترٰی قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ فلما اسلما وتلہ للجبین ونادیناہ ان یا ابراھیم۔ قد صدقت الرؤیا ان کذلک نجزی المحسنین۔ ان ھذا لھو البلاء المبین۔ وفدیناہ بذبح عظیم۔

(سورۃ الصافات آیت ۱۰۱ الغایت ۱۰۷)

قرآن مجید میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ حضرت اسحاق کی نسبت قربانی کا حکم تھا یا حضرت اسمٰعیل کی نسبت اور نہ کسی معتبر اور مستند حدیث سے اس کی تفصیل پائی جاتی ہے۔

بعض مسلمان مورخوں کا قول ہے کہ حضرت اسحٰق کی نسبت قربانی کا حکم تھا اور بعض کا قول ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی نسبت تھا۔ یہ اختلاف توریت مقدس کی اس آیت کے مبہم اور غیر مصرح ہونے کی وجہ سے ہے جس میں اس مقام کا ذکر ہے۔ جہاں مذکورہ بالا قربانی کا عمل میں آنا تجویز ہوا تھا اور وہ آیت یہ ہے

"خدا ابراہیم را امتحان نمود و باو گفت اے ابراہیم و او گفت اینک حاضرم و خداوند گفت کہ حال پسر یگانۂ خود اسحاق را کہ دوست می داری۔ بگیر و بزمین

موریاہ یا برو (عربی ترجمہ میں بجائے لفظ "موریا" کے "ارض الرویا" لکھا ہے

لہ موریا کے معنی ہیں "تلخی خدایا حکم خدایا خوف خدا اور تیزا در شلیم کے اس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس تعمیر ہوا تھا اور جس پر بالفعل حضرت عمر کی بنائی ہوئی مسجد واقع ہے اسی مقام کو عموماً وہ مقام خیال کرتے ہیں جہاں کہ حضرت ابراہیم کو اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسحاق کی قربانی کرنے کا حکم ہوا تھا گو کہ اس بات کے فرض کرنے میں بعض مشکلات پیش آتی ہیں۔ توریت سامری سفر تکوین باب ۲۲ درس ۲ میں بجائے موریہ کے نسرزمین مرہ لکھا ہے۔ جیسا کہ انگریزی ترجمہ میں ہے اور مرہ کی نسبت لوگوں کو اطمینان ہو گیا تھا کہ یہ وہی مرہ ہے جو شکم کے قریب تھا اور جہاں حضرت ابراہیم پہلے رہا کرتے تھے (سفر تکوین باب ۱۲ درس ۶) اور وہ پہاڑ جس پر ان کا معبد بنا تھا جوزیم تھا اور یہ اخیر رائے کسی قدر لحاظ کے قابل ہے اگر یہ متحقق ہو جائے کہ قوم سامری نے اس مقام کو اپنی حدود کے اندر لانے کے واسطے اس درس میں کچھ تحریف نہیں کی ہے بیر شبع سے اس مقام کا فاصلہ ترجمہ سامری کا کسی قدر موئد ہے۔ کیونکہ بیر شبع مرہ تک پورا تین روز کا رستہ ہے مگر بیر شبع اور بیت المقدس کے درمیان فاصلہ بہت قلیل ہے بشرطیکہ راستے میں کوئی امر حارج نہ ہو گیا ہو۔ مسلمان راوی ہیں اس واقعہ کا موقع وہ ہے جہاں کہ زمانہ مابعد میں ان کا مشہور و معروف معبد بمقام مکہ بنایا گیا تھا اور اس معاملہ میں اور نیز دیگر معاملات میں وہ حضرت اسحٰق کی جگہ حضرت اسمٰعیل بتاتے ہیں یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہودی سامری مسلمان سب اپنے اپنے معبدوں کے موقعوں کو حضرت ابراہیم کے ایمان کی آزمائش یا امتحان کے مقام ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں۔ (بائبل سائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۲)

اور توریت سامری کے عربی ترجمے میں "ارض المختارہ والمرشدہ" لکھا ہے۔ "وبران جا اورا دریکے از کلاہ ہائے کہ بہ تو مے گویم از برائے قربانی وسوختنی تقریب نماز" سفر تکوین باب ۲۲ درس ۱ و ۲) بعض مسلمان مصنفوں نے اس گمنام جگہ کو بیت المقدس اور اس کے پہاڑ قرار دیئے ہیں۔ اور بعض نے مکہ معظمہ کے قریب کے پہاڑ۔ جو لوگ اس مقام کو مکہ معظمہ کے پہاڑ قرار دیتے ہیں وہ اپنی رائے کی تائید میں بیان کرتے ہیں کہ عبری لفظ "ہریم" جس کے معنی جبال کے ہیں تثنیہ اور جمع دونوں صیغوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس لئے وہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے مکہ معظمہ کے مشہور دو پہاڑوں صفا اور مروہ میں سے ایک مراد ہے۔

توریت مقدس میں اسی باب کی چودھویں آیت میں یہ لکھا ہے "وابراہیم اسم آں مکان را یہواہ یراہ گذاشت کہ تا امروز ش چنیں ہم مے خوانند در کوہ خداوند نمایاں است" مسلمان مورخوں کے نزدیک یہ مقام وہ ہے جو مکہ معظمہ کے پاس واقع ہے اور آج تک عرفات کے نام سے مشہور ہے پس جو لوگ اس قربان گاہ کو مکہ معظمہ میں قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قربانی کا حکم حضرت اسمٰعیل کی نسبت ہوا تھا اور جو لوگ اس قربان گاہ کو بیت المقدس میں قرار دیتے ہیں وہ حضرت اسحٰق کی نسبت قربانی کا حکم ہونا کہتے ہیں جیسے کہ سعودی نے لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

وقد تنازع الناس فی الذبیح فمنهم من ذهب الی انه اسحٰق ومنهم من رائے انه اسمٰعیل فان کان الامر بالذبح وقع بمنی فالذبیح اسمٰعیل لان اسحٰق لم یدخل الحجاز وان کان الامر بالذبح وقع بالشام فالذبیح اسحٰق لان اسمٰعیل لم یدخل الشام لعد ان حمل منه۔

(مرقاۃ الذہب سعودی)

مگر ذی علم مسلمان عالموں کا صاف بیان ہے کہ حضرت اسحٰق کی نسبت قربانی کا حکم ہوا تھا نہ کہ حضرت اسمٰعیل کی نسبت اور یہی امر مندرجہ ذیل حدیث سے بھی پایا جاتا ہے

عن محمد ابن المنتشر قال ان رجلا نذر ان ینحر نفسه (فقال له مسروق لا تنحر) واشتر کبشا فاذبحه للمساکین فان اسحٰق خیر منك وقد ی بکبش۔

(رواہ ابن رزین مشکوٰۃ)

اس حدیث میں مسروق کا صاف قول ہے کہ حضرت اسحٰق قربان ہونے والے تھے۔

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے۔ نبایوث۔ قیدار۔ ادبیل، مبسام۔ مشماع۔ دوماہ۔ مسا۔ حدر۔ تیما۔ یطور۔ نافیش۔ قیدماہ۔

نبایوث۔ یہ شخص شمالی مغربی حصہ عرب میں آباد ہوا۔ ٹھیک مقام اس قوم کے آباد ہونے کا نقشہ مرتبہ رورنڈ کانیری پی کیری ایم۔ اے

میں مابین ۲۸ و ۳۰ درجات عرض بلد شمالی و ۳۶ و ۳۸ درجات طول بلد شرقی میں واقع ہے۔ رورنڈ فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم عرب الحجر کے وقت سے لے کر مشرق کی جانب اور وادی القریٰ کے اندر تک اور جنوب کی طرف کم از کم منتہائے خلیج عقبہ اور حدود حجاز تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسطرابو اس سے بھی زیادہ وسیع قطع ان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ کیونکہ وہ دو مقاموں کا ذکر کرتا ہے جو خلیج عرب پر واقع ہیں اور جن سے صریح ظاہر ہے کہ انکی مملکت کی وسعت جنوبی اور غربی سمت میں مدینہ کی عرض بلد پر منتہی ہوتی تھی اور یہ دو مقام شہر و بندرگاہ حور یعنے بندرگاہ سفید جو ینبوع کی شمال میں ہے اور خود بندرگاہ ینبوع ہیں۔ رورنڈ فارسٹر کہتے ہیں کہ اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قوم صرف پتھریلے بیابان عرب ہی میں نہیں بلکہ صوبجات عظیم حجاز اور نجد کے اندر تک بھی پھیلی ہوئی تھی۔

ممکن ہے کہ یہ قوم وقتاً فوقتاً اس وسیع ملک میں پھیل گئی ہو جس کا اوپر ذکر ہوا۔ کتاب اشعیاہ نبی کے مندرجہ ذیل درس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک نامی اور زبردست قوم تھی اور وہ درس یہ ہے "تمامی گوسفندان قیدار نزد تو گرد آمدہ قوچہائے نبایوث بکارت خواہند آمد و بر مذبح بہ رضامندی برخواہند آمد و خانہ جلال خود را جلیل خواہم کرد۔" (کتاب اشعیاہ باب ۶۰ درس ۷)

قیدار۔ یہ شخص نبی بنت کی جنوب کی طرف گیا اور حجاز میں آباد ہوا۔ زبور داؤد۔ کتاب اشعیاہ۔ ارمیاہ۔ حزقیل وغیرہ میں اس قوم کی عظمت و شوکت کی بیشمار شہادتیں ہیں۔ اسی قوم میں سے جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اُن کی بعثت سے خدا تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر ظاہر ہوئی۔ اُن کی ذات پاک کے سود مند اثروں سے رفتہ رفتہ دنیا کے ایک بڑے حصے پر خدا کی برکت اور خدائے واحد کی عبادت پھیل گئی اور اب تک پھیلتی جاتی ہے عربوں اور مشرقی اقوام کے ہاں بیشمار روایتیں اس قوم کے باب میں موجود ہیں مگر اس مقام پر اُس روایت کا بیان کرنا چاہتے ہیں جس کو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے مستند تسلیم کیا ہے :۔

مصنف موصوف نے لکھا ہے کہ "اشعیاہ نبی کے کلام سے (جو اوپر مذکور ہے) جو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ قیدار کی خیمہ گاہ اس اخیر حصہ ملک میں تلاش کرنی چاہیئے اُس کی کماحقہ تصدیق اس نبی کے کلام کے ایک اور مقام سے بھی ہوتی ہے۔ یعنے ارض قیدار کے بیان سے جس کو ہر شخص جو جغرافیہ عرب سے واقف ہوگا پہچان لے گا کہ اُس قطعہ حجاز کا نہایت صحیح بیان ہے جسمیں نامی شہر مکہ اور مدینہ واقع ہیں۔ جس شخص کو زیادہ ثبوت اس مشابہت کا درکار ہو تو اُس کو حجاز کا جغرافیہ جدیدہ معائنہ کرنا چاہیئے جہانکہ ینبوع کے قریب شہر ہائے المخیضر اور بنت جو اسمائے مقر قیدار اور بنایوث کی باقاعدگی عربی شکلیں ہیں خدا حمد کنندہ آج تک چلا آتا ہے اور کس قدر معنے رکھتا ہے :۔

اس کے بعد رورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ یہاں تک تو ہم نے قیدار

کے آثار جغرافیۂ قدیمہ کی استعانت سے دریافت کئے ہیں اب یہ دیکھنا رہا ہے کہ یونانی اور رومی بیانات کا عربی روایتوں سے مقابلہ کرنے میں کس قدر ثبوت کی زیادتی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ محققین یورپ کی رائے میں عربی روایتوں کی غیر مویدہ شہادت کیسی ہی قابل اعتراض اور مشکوک کیوں نہ ہو مگر منصفانہ بحث کے مسلمہ قواعد کی رو سے اُن کا قطعی اتفاق تواریخ دینی اور دنیوی سے انکار کرنا صریح غیر ممکن ہے۔ خود عربوں کے ہاں زمانۂ نامعلوم سے یہ ایک روایت چلی آتی ہے کہ قیدار اور اُس کی اولاد ابتداءً حجاز میں آباد ہوئے تھے۔ اس شخص کی اولاد میں ہونے کا بالتخصیص قوم قریش جو مکہ کے والی کعبہ کے محافظ تھے ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے اور خود محمد (صلعم) نے قرآن میں اپنی قوم کی ریاست اور اعزاز کے دعووں کی اسی بنا پر تائید کی ہے کہ اسمٰعیل کی اولاد میں قیدار کے سلسلے سے تھے۔ ایسی قومی روایت کا اعتبار جیسے کہ یہ ہے تاریخی روایت کے پائے کو پہنچ جاتا ہے جب کہ اُس کی تائید ایک طرف تو کتب مقدسہ کے اُن بیانات سے ہوتی ہے جن سے قیدار کا اسی حصہ جزیرہ نما میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری جانب۔ اریانوس۔ طلیموس۔ پلینی اکبر کے زمانوں میں ملک حجاز میں قوم کیدری۔ درانی۔ کدرون تانی۔ پاکدیتی کی موجودگی کی غیر مشتبہ اور ناقابل اشتباہ امر سے اُس کی تصدیق ہوتی ہے (جغرافیہ تاریخی جلد اوّل صفحہ ۲۴۸)۔

اوبنیل۔ مشرقی مورخوں نے اس شخص کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر کا بیان ہے کہ کتب مقدسہ میں صرف ایک مرتبہ اس کا ذکر آیا ہے

اور اُنہوں نے جوسفس کی سند پر بیان کیا ہے کہ اوئیل کا ابتدائی مقام سکونت اس کے بھائیوں کے قرب وجوار میں تھا۔ اس قدر بیان کے صحیح ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب وہ اس کے آثار دریافت کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں اور مقاموں کے ناموں میں صرف چند حروف کی مشابہت ہونے سے اُس کے آثار قرار دیتے ہیں تو اس پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔

مبام۔ حال کے جغرافیہ اور عرب کی تاریخ میں اس شخص کا کچھ پتہ نہیں لگتا رورنڈ فارسٹر کا بھی بیان ہے کہ اس اسمٰعیلی کے نام و نسل کے آثار، نسبت اس کے اور بھائیوں کے کمتر اور ضعیف تر ہیں۔ پورا نام نہ قدیم جغرافیہ عرب میں پایا جاتا ہے اور نہ جدید جغرافیہ میں۔

مشماع۔ مشرقی تاریخوں میں اس شخص کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اگر رورنڈ مسٹر فارسٹر کی یہ بات تسلیم کی جاوے کہ سفر تکوین اور تواریخ الایام کا مشماع اور یونانی توریت کا سما اور جوسفس نے جس کو مسماوس اور بطلیموس نے مسمی مانیں اور عربوں نے بنی مسما لکھا ہے اس سے ایک ہی شخص مشماع مراد ہے۔ تو یہ کسی قدر آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کا ابتدائی مقام سکونت نواح نجد میں تھا۔

دوماہ۔ اس شخص کی اولاد اول تہامہ کے جنوب میں مدینے کے قرب وجوار میں آباد ہوئی مگر جب کہ اُس کی اولاد بڑھ گئی تو نقل مکان کرنے کے لئے مجبور ہوئی اور اس مقام پر آباد ہوئی۔ جہاں کہ بالفعل دومۃ الجندل واقع ہے شام اور مدینے کے درمیانا اور بہت سے مقامات ہیں جن کے نام

اس شخص کے نام پر ہیں۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور مشرقی مورخوں کا بھی یہی قول ہے جس کی سند ذیل میں درج ہے۔

دومۃ الجندل۔ وقد جاء فی حدیث الواقدی دوماء الجندل وعدھا ابن السقفیہ من اعمال المدینۃ سمیت بدوم ابن اسمٰعیل بن ابراھیم وقال الزجاجی دومان ابن اسمٰعیل وقیل کان لاسمٰعیل ولد اسمہ ودما لعلۃ خیرہ منہ وقال ابن الکلبی دوماء بن اسمٰعیل قال ولما کثر ولد اسمٰعیل عم بالتھامۃ خرج دوماء بن اسمٰعیل حتی نزل موضع دومۃ وبنی لہ حصنا فقیل دوماء ونسب الحصن الیہ۔ قال ابو عبید السکونی دومۃ جندل حصن وقری بین الشام والمدینۃ قرب جبلی طی۔ ودومۃ من القریات من وادی القری۔ (معجم البلدان)

مسا۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے کہنے میں کہ اس شخص کی اولاد عراق عرب (الجزیرہ) میں آباد ہوئی تھی بلاشبہ غلطی کی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ قوم یمن میں آباد ہوئی اور اس امر کی تائید "موسا" کے نام سے ہوتا ہے جو اب تک یمن میں موجود ہے۔ یہ مقام پی کیری صاحب کے نقشے کے بموجب ۱۳ درجے ۳۰ دقیقہ عرض بلد شمالی اور ۴۳ درجے ۳۰ دقیقہ عرض بلد شرقی میں واقع ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ابتدائً نواح حجاز میں متوطن ہوئی تھی مگر اس مقام کی تنگی کے باعث بعد کو یمن میں چلی گئی جو بوجہ اپنی بے انتہا شادابی

اور بکثرت پیداوار کے ملک حجاز پر بدرجہا فوقیت رکھتا تھا۔

حدر۔ تواریخ الایام میں اس کو "حدو" لکھا ہے۔ اس شخص نے جنوبی سمت اختیار کی اور حجاز میں آ بسا اس امر کی تصدیق بیشمار بیرونی اور اندرونی شہادتوں سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان مورخ "الزہیری" حدد کو منجملہ اُن بے شمار قوموں کے جن میں عرب کے باشندے منقسم تھے بالتصریح بیان کرتا ہے۔ یمن میں شہر حدیدہ اور بنی حدہ کا موجود ہونا صریح ہمارے بیان کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

تیما۔ حضرت اسمٰعیل کے پہلے دو بیٹوں کے بعد باعتبار شہرت کے تیما کا درجہ ہے۔ اس شخص کا ابتدائی مقام سکونت صوبۂ حجاز تھا۔ لیکن کسی نہ کسی زمانے میں اس کی اولاد تمام وسط نجد میں پھیل گئی اور بعض ان میں سے خلیج فارس کے ساحل کے برابر منتشر ہو گئے مگر ہم کو صرف موسیٰ کے کلام کی تصدیق جس سے حضرت اسمٰعیل کے بیٹوں کی ابتدائی آبادی کی جگہ پائی جاتی ہے منظور ہے تو ہم کو اُسی مقام کی تحقیق اور تدقیق پر جہاں کہ ان میں سے ہر ایک شخص نے ابتداءً سکونت اختیار کی تھی زیادہ تر توجہ مبذول کرنی چاہئے نہ اُس جگہ کی نسبت جہاں کہ اُن کی اولاد بعد کو جا بسی۔

یطور۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اس بات پر یقین کرنے کیواسطے کامل دلیل ہے کہ اس قوم کا ابتدائی مقام سکونت ضلع "جدور" تھا۔ جبل قاسیون کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق اور شاہ راہ حجاج کے مغرب ہیں۔

ناقیش۔ مشرقی مورخ کچھ نہیں بیان کرتے کہ اس شخص نے کہاں سکونت اختیار کی تھی۔ مگر رورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اس کی اولاد سے ایک قوم عرب کا وادی القریٰ میں موجود ہونا حضرت موسیٰ اور مصنف تواریخ الایام اور جوسفس کی سہ گانہ شہادت سے بلاشک واشتباہ متحقق ہے۔

قیدماہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ملک یمن کی نواح میں آباد ہوا۔ کیونکہ مسعودی کا قول ہے کہ ایک قوم موسوم بہ "قدمان" یمن میں تھی۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے۔

اصحاب الراس کانوا من ولد اسمٰعیل وھم قبیلتان یقال لاحد اھما قدمان والاخری یامین وقیل دعویل وذلک بالیمن مروج الذھب مسعودی۔

رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے خیال کرنے میں عجیب غلطی کی ہے کہ "کاظمہ" جو خلیج فارس پر واقع ہے اور جس کا ذکر ابو الفدا نے کیا ہے اسی قیدماہ سے مطابقت رکھتا ہے۔

تمام تلاش اور تفتیش کے بعد جو ہم نے حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے ابتدائی مقام سکونت کے باب میں کی اُس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ اُن کے آثار یمن (حویلاہ) سے لے کر شام (شور) تک پائے جاتے ہیں اور اس طرح پر حضرت موسیٰ کے اُس بیان کی تصدیق ہوتی ہے جو سفر تکوین باب ۲۵ درج ۱۸ میں مندرج ہے کہ "وہ حویلاہ سے شور تک آباد ہوئے جو مصر کے سامنے ہے جبکہ تو اسریا کو روانہ ہو۔"

حضرت اسمٰعیل ۲۰۹۴ء دینوی مطابق ۱۹۱۰ء قبل حضرت مسیح کے پیدا ہوئے تھے اور گھر سے نکالے جانے کے وقت ان کی عمر سولہ برس کی تھی۔ اگر اس مدت عمر پر تیس برس اور اضافہ کئے جاویں تو ہمارے نزدیک حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کی ولادت کے واسطے کافی مدت ہو گی پس ہم اس بات کو کہہ سکتے ہیں کہ ۱۹۳۰ء دینوی یا ۱۸۷۴ء قبل حضرت مسیح تک ان کا کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا۔

ان بارہ بیٹوں نے کوئی اور بڑی شہرت حاصل نہیں کی بجز اس کے کہ عرب کی بارہ مختلف قوموں کے مورث ہوئے اور اسی باعث سے یہ قومیں مختلف شعبوں اور فرقوں میں منقسم نہیں ہوئیں بلکہ یکساں حالت میں رہیں۔ مگر ایک مدت مدید کے بعد عدنان کی اولاد جو قیدار ابن اسمٰعیل کی نسل میں تھا۔ مختلف شعبوں میں متفرق ہو گئی اور کارہائے نمایاں سے شہرت حاصل کی۔

مشرقی مورخ متفق الرائے ہیں عدنان کے دو بیٹے تھے "معد" اور "عک" عک کی نسبت ان کا صرف اس قدر بیان ہے کہ وہ یمن کو چلا گیا۔ مگر ان کتبوں سے جن کو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے عاد کی قوم کے کتبوں سے موسوم کیا ہے اور جو حضرموت میں بمقام "حصن غراب" دریافت ہوئے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس نے کچھ عرصے تک اس ملک میں بادشاہی کی تھی۔ یہ کتبے مذکورۃ الصدر مقام میں ۱۸۳۴ء میں آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز مسمے "پالی نورس" کے افسروں نے دریافت کئے تھے۔ ان کتبوں کا پورا

پورا بیان مع کتبوں کی نقل کے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل کی تیسری جلد میں ملے گا۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر نے جو کچھ لکھا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ اس زمانے میں "عک" وہاں کا فرماں روا تھا۔

اس شاعرانہ کتبے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ قائم کرنے کی غرض سے رورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ "عک" عدنان کا بیٹا تھا اور بموجب حدیث حضرت اُم سلمہ کے جو آنحضرت صلعم کے ازواج مطہرات میں سے تھیں عدنان حضرت اسمٰعیل سے چوتھی پشت میں تھا جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ کتبہ مصر کے فقط سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے لکھا گیا ہوگا۔ لیکن رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس میں بڑی غلطی کی ہے کیونکہ انہوں نے اس بات کے ثبوت میں کوئی کافی سند پیش نہیں کی ہے کہ آنحضرتؐ نے عدنان کا حضرت اسمٰعیل کی چوتھی پشت میں ہونا کبھی بیان کیا تھا۔ انساب کی معتبر روایتوں کے بموجب عدنان آنحضرت صلعم سے بائیس پشت پہلے تھا اب ایک پشت کی قدرتی میعاد پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عک انتالیسویں صدی دینوی میں یا دوسری صدی قبل حضرت مسیح میں ہوگا۔

وائلہ ملقب بہ کلیب ابن ربیعہ بھی جو عدنان کی اولاد میں تھا بادشاہ ہوا تھا اور یمن والوں سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا۔

زبیر ابن جذیمہ اور نیز قیس ابن زبیر بھی باری باری سے حجاز کے بادشاہ ہوئے تھے مگر ان لوگوں کی تاریخیں معین کرنے کے واسطے ہمارے پاس کوئی معتبر سند نہیں ہے اس لئے ہم کسی قدر تیقن کے ساتھ تاریخیں

قرار نہیں دے سکتے لیکن خیال کرتے ہیں کہ یہ وہی زمانہ ہوگا جبکہ سلطنت یمن اور اَور سلطنتیں حالت زوال میں تھیں۔

عدنان کی نسل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۰ء دنیوی یا ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے اور تمام جزیرہ نمائے عرب پر دینی اور دنیوی حکومت حاصل کی۔ عیسائی مصنفوں نے آنحضرت صلعم کے نسب نامہ کی نسبت بہت کچھ لکھا ہے اور اس کو غیر ثابت قرار دینے کے لئے سعی بے حاصل کی ہے اور یہ مناسب موقع تھا کہ ہم بھی اس بحث میں شامل ہوتے اور عیسائی مصنفوں کے ہر ایک اعتراض کی تردید کرتے لیکن چونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ اس مضمون پر ایک جداگانہ خطبہ لکھیں گے اس لئے بالفعل اس بحث کا ملتوی کر دینا مناسب ہے۔

دوم۔ ابراہیمی یا بنی قطورہ

توریت مقدس میں لکھا ہے "و دیگر ابراہیم زنے گرفت کہ اسمش قطورہ بود و برایش زمران و یقشان و مدان و مدیان و یشباق و شوح عادائید و یقشان شبا و دوان را تولید نمود و پسران دوان اشوریم و لطوشیم و لومیم بودند و پسران مدیان عیفاہ و عیفر و حنوک و ابیداع و الداعاہ بودند تمامی ایشاں پسران قطوراہ بودند۔ پس ابراہیم تمامی مایملک خود را بہ اسحٰق داد۔" (سفر تکوین باب ۲۵ درس ۱ الغایت ۵)

یہ سب لوگ عربیا کو چلے گئے اور اس قطع میں آباد ہوئے جو حدود حجاز

سے خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے اور ان کے نشانات اب تک جو اس ملک میں واقع ہیں یہ پائے جاتے ہیں۔

انہی ابراہیموں میں سے حضرت شعیب نبی کو خدائے تعالےٰ نے اقوام عائکہ اور مدیان کو اپنی خالص عبادت کی تلقین اور ہدایت کرنے کے واسطے مبعوث کیا تھا۔

مگر ہم ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ یہ نبی کس زمانے میں ہوئے تھے۔ لیکن اگر ہم ثیرو کاہن مدیان کو جن کا ذکر سفر خروج باب ۱۸ آیت ۱ و ۲ میں ہے اور شعیب کو ایک ہی شخص خیال کریں جیسا کہ عرصہ دراز سے لوگوں کو گمان ہے تو البتہ یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ یہ نبی اس وقت میں تھے جبکہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے تھے۔

سوم اُدومی۔ یا بنی عیسو

عیسو یعنی ادوم کی تین بیویاں تھیں۔ عاداہ۔ اہلیاباہ۔ باسمت۔ دختر حضرت اسمٰعیل و خواہر نبایوث۔ پہلی بیوی سے "الی فز" پیدا ہوا۔ دوسری بیوی سے یعوش اور یعلام اور قورح پیدا ہوئے۔ تیسری سے رعوئیل پیدا ہوا۔ الی فز کے بیٹے تیماں اومر۔ سفو۔ گعتم۔ قنز۔ عمالیق تھے۔ رعوئیل کے بیٹے۔ نحت۔ زرح۔ شماۃ۔ مزاہ۔ پیدا ہوئے۔ (سفر تکوین باب ۳۶)

عیسو کی تمام اولاد قریباً قریباً کوہ سعیر کے قرب و جوار میں آباد

ہوئی تھی۔ بعض نے ان میں سے اپنی سکونت عرب الحجر میں اور حجاز کی شمالی سرحد پر اختیار کی تھی۔ مگر ان لوگوں کی تعداد اس قدر کم تھی کہ اسی وجہ سے بعض مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ عیسو کی اولاد کبھی عرب میں آباد نہیں ہوئی۔

چہارم۔ بنی ناحور

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "عوص" اور "بوز" (دیکھو سفر تکوین باب ۲۲ درس ۲۱) پسران ناحور برادر ابراہیم شمالی عرب کی بے شمار قوموں کے مورث تھے اور اس کی سند میں کتاب ایوب باب ۱ درس ۱ اور نیاحات یرمیاہ باب ۴ درس ۲۱ یرمیاہ باب ۲۵ درس ۲۰ کا حوالہ دیتے ہیں۔

پنجم۔ بنی ہاران

سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ "یہ قوم بہ نسبت دیگر اقوام متذکرہ بالا کے سب سے زیادہ شمال کی جانب رہتی تھی۔ ان کے نہایت جنوبی مقامات بحر لوط (ڈوسی) کے مشرق میں واقع تھے اور انہیں عمدہ سبزہ زار "بلقا" اور "کرک" کے شامل تھے۔

ہاران کے بیٹے حضرت لوط تھے۔ حضرت لوط کے بیٹے موآب اور بن عمی تھے۔ توریت مقدس میں ان کے پیدا ہونے کا نہایت ناپاک واقعہ اس طرح پر لکھا ہے۔" و لوط از صوعر برآمد و در کوہ ساکن شدہ و دو دختر انش

به همراهش زیرا که از سکون در صوعر ترسید و او و ده دختر انش در مغاره ساکن شدند۔ و دختر بزرگ به دختر کوچک گفت که پدر ما پیر شد و کسے در زمین نیست که موافق عادت کل زمین بما در آید۔ بیا پدر خود را اشراب بنوشانیم و با او بخوابیم و از پدر خود نسلے را۔ زنده نگاه داریم۔ پس دران شب پدر خویشتن را شراب نوشانیدند و دختر بزرگ داخل شده با پدر خود خوابید و او نه بوقت خوابیدنش و نه بوقت برخاستنش اطلاع بهم رسانید و روز دیگر واقع شد که دختر بزرگ به دختر کوچک گفت که اینک دی شب با پدر خود خوابیدم امشب نیز او را شراب بنوشانیم و تو داخل شده با او بخوابی و از پدر خود نسلے را زنده نگاه داریم۔ دران شب نیز پدر خود را شراب نوشانیدند و دختر کوچک برخاسته با او خوابید که او نه بوقت خوابیدنش و نه بوقت برخاستنش اطلاع بهم رسانید۔ و وده دختر لوط از پدر خود شان حامله شدند۔ و دختر بزرگ پسرے را زائید و اسمش را موآب نامید که تا بحال پدر موابیان اوست۔ و دختر کوچک او نیز پسرے را زائید و اسمش را بن عمی نامید که تا بحال پدر بنی عموں اوست۔" (سفر تکوین باب ۱۹ آیت ۳۰ تا ۳۸)

حضرت لوط اور ان کی بیٹیوں کی نسبت جو کچھ اس مقام میں لکھا ہے عیسائی اس سب کو قبول کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ حضرت لوط نے اپنی صلبی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی۔ مگر ایسا یقین کرنا درحقیقت تضحیک کے قابل ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو کیا یہ ایک مقدس شخص کی تہذیب اور

متانت کے متناقض نہیں ہے؟ اور کیا حضرت لوط جیسے پاک شخص کے خلافِ شان نہیں ہے۔

مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور قرآن مجید میں اگرچہ لوط کا قصہ ہے مگر اس میں یہ بات کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی مذکور نہیں ہے۔

توریت مقدس میں جو کچھ بیان ہے اس کی نسبت ہم خیال کرتے ہیں کہ جو معنی عیسائی مصنفوں نے لئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ آٹھویں درس میں لوط کا قول لکھا ہے کہ "مرادو دخترے ست کہ مردے را ندانستہ اند تمنا اینکہ ایشاں را بہ شما بیروں آوردم و با ایشاں آنچہ در نظر شما پسند است بکنید"

قرآن مجید میں اس جگہ تثنیہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ جمع کا ہے جیسے کہ سورۂ ہود میں ہے۔ "ھولاء بناتی ھن اطھر لکم" اور سورۂ حجر میں ہے "قال ھولاء بناتی ان کنتم فاعلین" مسلمان عالموں کا قول مختار یہ ہے کہ لفظ "بنات" سے حضرت لوط کی صلبی بیٹیاں مراد نہیں ہیں بلکہ قوم کی عورتیں مراد ہیں اور یہ بات حضرت لوط نے اس مراد سے کہی تھی جیسے کہ وہ ہمیشہ ان کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم اپنی خراب عادت فعل خلاف فطرت انسانی کو چھوڑو اور عورتوں سے نکاح کرو اور ان کے ساتھ رہو کہ وہ تمہارے لئے پاکیزہ زندگی ہے۔

توریت مقدس میں اس مقام پر لفظ بنوش آیا ہے جو بمعنے بنت کے ہے مگر جس طرح عربی زبان میں بنت کا استعمال سوائے اصلی بیٹیوں

کے اور عورتوں پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح عبری زبان میں بھی عام عورتوں پر ہوتا ہے ڈاکٹر ولیم اسمتھ کی عبرانی ڈکشنری میں لفظ "بث" اور "بنوث" کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عام عورتوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ کتاب امثال سلیمان باب ۳۱ درس ۲۹ میں استعمال ہوا ہے۔ پس اس مقام میں بھی اس لفظ سے اصلی بیٹیاں مراد نہیں ہیں عورتیں مراد ہیں بلکہ غالباً لونڈیاں کیونکہ حضرت لوط کی جو بیٹیاں تھیں جیسے کہ سفر تکوین باب ۱۹ درس ۱۲ میں لکھا ہے اُن کی شادیاں ہو چکی تھیں اور انکے شوہر موجود تھے

جب حضرت لوط سدوم سے فرار ہوئے تو ان کے داماد اور اُن کی بیٹیاں ان کے ساتھ نہیں گئے صرف حضرت لوط کی بیوی اور وہی دو عورتیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اور جن کو بیٹیاں کر کے تعبیر کیا ہے اور جو غالباً لونڈیاں تھیں ساتھ گئی تھیں، رستے میں ان کی بیوی زندہ نہیں رہی صرف دو چھوکریاں ان کے ساتھ تھیں۔

قرآن مجید میں اگرچہ اس مقاربت کا جو مغائرہ کوہ میں اُن دونوں چھوکریوں نے حضرت لوط کے ساتھ کیا کچھ ذکر نہیں ہے لیکن جو کچھ کہ توریت مقدس میں لکھا ہے اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو بھی اُن دونوں چھوکریوں کا حضرت لوط کی اصلی بیٹیاں ہونا اسی وجہ سے جو ہم نے اوپر بیان کی قابل یقین نہیں ہے اور جب کہ وہ لونڈیاں تھیں تو ان کے ساتھ مقاربت گو کہ وہ دھوکے ہی سے ہو بموجب اس زمانے کی شریعت کے ناجائز نہ تھی۔

سفر تکوین باب ۱۹ دس ۳۲ و ۳۴ میں لکھا ہے کہ ان دونو چھوکریوں نے حضرت لوط کو باپ کہہ کر تعبیر کیا ہے اس کہنے سے بھی ان چھوکریوں کا اصلی بیٹیاں ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ باپ کا لفظ بہت زیادہ عام ہے اور اس کا اطلاق مالک اور بزرگ شخص پر عموماً ہوتا ہے۔

سر ولیم میور کے اس بیان کو کہ بنی عمان عرب کے کسی حصے میں آباد نہیں ہوئے بلکہ شمال ہی میں رہے ہم تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے نزدیک بنی عمان خلیج فارس کے برابر برابر بستے تھے اور ان کا نام اب تک اس حصہ عمان میں پایا جاتا ہے جو تمام قطعہ کے درمیان موجود ہے اگر بنی عمان عرب میں آباد نہیں ہوئے تھے جیسے کہ سر ولیم میور کی رائے ہے۔ تو ان کو اقوام عرب میں شمار کرنا مناسب نہ تھا۔

تمام عرب المستعربہ میں جو ترح کی نسل سے ہیں صرف بنی اسمٰعیل ہی کی کثرت ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد مختلف قوموں اور شعبوں میں منقسم ہو گئے مگر ان کے مقابل کی قومیں ایک سکون اور غیر مبدل حالت میں رہیں۔

جبکہ ہم ان قوموں کے شعبوں کا شمار اور حال بیان کریں گے تو یہ بات ظاہر ہوگی کہ ایک قوم کے کسی شخص کو اپنی قوم چھوڑ کر دوسری قوم میں جا ملنا اگر بالکل ممکن نہ تھا تو حد سے زیادہ دشوار تو ضرور تھا خصوصاً اس وجہ سے کہ اس زمانہ میں تمدنی حالت نہایت محدود تھی اور لوگ اپنے مورثوں کے کارہائے نمایاں کی بڑی عظمت کرتے تھے۔

اوران کو فخریہ یاد رکھتے تھے اور ہر ایک شریف قوم کا آدمی خود ستائی کا بندہ تھا اور بالتخصیص عرب کی مختلف قومیں اپنی قوم کی امتیاز موجودہ کو قائم اور برقرار رکھنے اور اپنی قوم کو اور قوموں کی ملاوٹ سے علیحدہ رکھنے میں نہایت درجہ محتاط تھیں۔

مندرجہ ذیل فہرست ان قوموں کی ہے جو سکون اور غیر مبدل حالت میں رہیں۔

۱۔ بنی ناحور ابن ترح سے بنو ناحور۔
۲۔ ہاران ابن طرح سے بنو ہاران۔
۳۔ موآب ابن لوط ابن ہاران بن طرح سے بنو موآب۔
۴۔ عمان ابن لوط سے بنو عمان۔
۵۔ اولاد ابراہیم سوائے اولاد اسمٰعیل سے بنو ابراہیم۔
۶۔ اولاد ابراہیم بطن قطورہ سے بنو قطورہ۔
۷۔ عیسو عرف ادوم ابن اسحٰق ابن ابراہیم سے بنو ادوم۔

مندرجہ ذیل قومیں اسمٰعیل کی اولاد میں ہیں جو بمقابل اور قوموں کے بہت جلد بڑھ گئیں۔ اور عرب کے تمام ملک میں پھیل گئیں۔

۸۔ اسمٰعیل ابن ابراہیم سے بنو اسمٰعیل۔ مگر اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کے نام سے علیحدہ علیحدہ بارہ قومیں چلیں۔

۹۔ نبالوث سے بنو نبالوث
۱۰۔ قیدار سے بنو قیدار
۱۱۔ ادبئیل سے بنو ادبئیل
۱۲۔ مبسام سے بنو مبسام
۱۳۔ مشماع سے بنو مشماع
۱۴۔ دوماہ سے بنو دوماہ

۱۵۔ مسا سے بنو مسا۔ ۱۶۔ حدر سے بنو حدر۔
۱۷۔ تیما سے بنو تیما۔ ۱۸۔ یطور سے بنو یطور۔
۱۹۔ نافش سے بنو نافش۔ ۲۰۔ قیدماہ سے بنو قیدماہ

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں میں سے قیدار کی اولاد نے ایک عرصہ
بعد شہرت حاصل کی اور مختلف شاخوں میں متفرع ہو گئی۔ مگر بہت صدیوں
تک یہ بھی اپنی اصلی حالت پر رہی اور مدت تک ان میں ایسے لئیق اور نامی
اشخاص جنہوں نے اپنی لیاقتوں اور عجیب و غریب قابلیتوں کی وجہ سے
نامور ہونے کا استحقاق حاصل کیا ہو یا سلطنتوں اور قوموں کے بانی
ہوئے ہوں پیدا نہیں ہوئے اور اسی وجہ نے قیدار کی اولاد کی تاریخ
کے سلسلے کو مرتب کرنے میں بہت سی صدیوں کا فصل واقع ہو جاتا ہے
مگر یہ ایک ایسا امر ہے جس سے عرب کی قومی اور ملکی روایت کی جو حضرت
اسمٰعیل کی نسبت چلی آتی ہے۔ کما حقہٗ تصدیق ہوتی ہے کیونکہ ایک
جلاوطن ماں اور بیٹے کی اولاد کی کثرت اور ترقی کے واسطے جو ایسی
بے کس اور مصیبت زدہ حالت میں خانہ بدر کی گئی تھی۔ ضرور بلکہ یقیناً
ایک عرصہ درکار ہوا ہوگا۔ خصوصاً ایسی ترقی کے واسطے جس نے انجام کار
ان کو دنیا کی تاریخ میں ایک نہایت نامور اور ممتاز جگہ پر پہنچایا اور
ان کی اولاد نے ایسے ایسے کارہائے نمایاں کئے جن کی نظیر کسی قوم کی
تاریخ میں نہیں ملتی۔

مگر باوجود ان تمام باتوں کے ہم عرب کی تاریخ میں قیدار کی اولاد

میں اس قوم کی ابتدا سے اس وقت تک کہ اس کو شہرت ہوئی آٹھ نام پاتے ہیں یعنے حمل۔ نابت۔ سلامان الہمیع الیسع۔ اُدد۔ اُو۔ عدنان۔

یہ وہی عدنان ہے جس کا بیٹا عک یمن کا بادشاہ ہوا تھا اور جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔

مندرجہ ذیل قبائل عدنان کی اولاد میں ہیں

۲۱۔ ایاد ابن معد ابن عدنان سے ایادی۔ ۲۲۔ قنص ابن معد سے قضنی

۲۳۔ مضر ابن نزار ابن معد سے بنو مضر۔ ۲۴۔ ربیع ابن نزار ابن معد سے بنو ربیعہ۔

۲۵۔ اسد ابن ربیع سے بنو اسد۔ ۲۶۔ صبیعہ ابن ربیعہ سے بنو صبیعہ۔

قبائل ذیل صبیعہ کی اولاد میں ہیں

۲۷۔ بنو ابو الکلب۔ ۲۸۔ بنو شجنہ۔ ۲۹۔ جدیلہ ابن اسد ابن ربیعہ سے بنو جدید۔

۳۰۔ غزہ ابن اسد سے بنو غزہ ۳۱۔ عمیر ابن اسد سے، بنو عمیر۔

۳۲۔ عبد القیس ابن افصے ابن دعمی ابن جدیلہ سے بنو عبد القیس۔ ۳۳۔ الدیل ابن شن ابن افصے ابن عبد القیس سے بنو الدیل شنی۔

قبائل ذیل الدیل کی اولاد میں ہیں

۳۴۔ بنو بجنہ۔

۳۵۔ صوحان ابن داویہ ابن نکیر ابن افصے ابن عبد القیس وائلہ سے بنو وائلہ۔

۳۶۔ انمار ابن عمرو ابن داویہ سے بنو انمار۔ ۳۷۔ عجل ابن عمرو سے بنو عجل قنبی۔

۳۸۔ محارب ابن عمرو سے بنو المحارب۔ ۳۹۔ الدیل ابن عمرو سے بنو الدیل۔

قبائل ذیل الدیل کی شاخ ہیں

۴۰۔ بنو صوحان ۴۱۔ العوق ابن عمرو ابن واویہ سے بنو العوق یا عوتی۔

۴۲۔ اولاد بکر ابن حبیب ابن عمرو ابن غنم ابن تغلب ابن اوایل بن قاست ابن حنب ابن اقصیٰ ابن دعمی ابن جدیلہ سے الاراقم۔ ۴۳۔ بکر ابن وائل ابن قاست سے بنو بکر۔ ۴۴۔ ثعلب ابن وایل ابن قاست سے بنو ثعلب۔

قبائل ذیل ثعلب کی اولاد میں ہیں

۴۵۔ بنو عکب ۴۶۔ بنو عدی ۴۷۔ بنو کنانہ یا قریش ثعلب

۴۸۔ بنو ازہیر ۴۹۔ بنو عتاب ۵۰۔ غنم ابن حبیب ابن کعب ابن لیث کر ابن اوایل سے بنو غنم۔

۵۱۔ لجیم ابن صعب ابن علی ابن بکر سے بنو لجیم۔

قبائل ذیل لجیم کی اولاد میں ہیں

۵۲۔ بنو ہفان ۵۳۔ بنو عجل ۵۴۔ اولاد مالک ابن صعب سے بنو ازمان

۵۵۔ ذہل ابن ثعلبہ ابن عقبہ ابن صعب سے بنو ذہل۔ ۵۶۔ شیبان ابن ثعلبہ سے بنو شیبان۔

قبائل ذیل شیبان کی اولاد میں ہیں

۵۷۔ بنو الورثہ۔ ۵۸۔ بنو الجدرہ ۵۹۔ بنو الشقیقہ۔

۸۵۔ عبس ابن بغیض سے۔ بنو عبس ؛ ۸۶۔ سعد ابن ذبیان ابن بغیض سے۔ بنو سعد ؛

قبائل ذیل سعد کی اولاد میں ہیں ؛

۸۷۔ بنو حجاش ؛ ۸۸۔ بنو سلیع

۸۹۔ بنو حشوم ؛ ۹۰۔ خصفہ ابن قیس عیلان سے بنو خصفہ ؛

قبائل ذیل خصفہ کی شاخ ہیں

۹۱۔ بنو جسر ؛ ۹۲۔ ابو مالک بن عکرمہ ابن خصفہ سے بنو ابو مالک ؛

۹۳۔ منصور ابن عکرمہ سے۔ بنو سلیم ؛

قبائل ذیل منصور کی اولاد میں ہیں

۹۴۔ بنو حرام ؛ ۹۵۔ بنو حفاف ؛ ۹۶۔ بنو سمان ؛ ۹۷۔ بنو رعل ؛

۹۸۔ بنو ذکوان ؛ ۹۹۔ بنو مطرود ؛ ۱۰۰۔ بنو بہز ؛ ۱۰۱۔ بنو قنفذ ؛

۱۰۲۔ بنو رفاعہ ؛ ۱۰۳۔ بنو شرید ؛ ۱۰۴۔ بنو قمنہ ؛

۱۰۵۔ سلامان ابن عکرمہ سے۔ سلامانی ؛ ۱۰۶۔ ہوازن ابن منصور سے۔ بنو ہوازن ؛

۱۰۷۔ مازن ابن منصور سے بنو مازن ؛ ۱۰۸۔ سعد ابن بکر ابن ہوازن سے۔ بنو سعد ؛

۱۰۹۔ نصر ابن معاویہ ابن بکر سے۔ بنو نصر ؛ ۱۱۰۔ مرہ ابن صعصعہ ابن معاویہ سے۔ بنو مرہ یا بنو اسول ؛

۱۱۱۔ نمیر ابن عامر ابن صعصعہ سے نمیری ؛ ۱۱۲۔ ہلال ابن عامر سے۔ بنو ہلال ۔

۱۱۳۔ ربیعہ ابن عامر سے۔ بنو مجد ؛ ۱۱۴۔ ابو عمرو ابن عامر سے۔ بنو ابسکا ؛

۶۰۔ اولاد یتیم اللات ابن ثعلبہ سے اللہازم۔

۶۱۔ سدوس ابن شیبان ابن ذہل سے سدوسی۔

۶۲۔ قمعہ عرف قیس عیلان ابن الیاس ابن مضر سے قیس عیلانی یا بنو قیس۔

۶۳۔ عمرو ابن قیس عیلان سے بنو عمرو۔

قبائل ذیل عمرو کی اولاد میں ہیں

۶۴۔ بنو اخاریہ ؛ ۶۵۔ بنو اوابش ؛

۶۶۔ بنو یشکر ؛ ۶۷۔ بنو عوف ؛

۶۸۔ بنو رہم ؛ ۶۹۔ بنو ریاح ؛

۷۰۔ سعد ابن قیس عیلان سے۔ بنو سعد ؛

۷۱۔ غطفان ابن سعد سے۔ بنو غطفان ؛

۷۲۔ مضر ابن عسر ابن سعد سے۔ بنو مضر ؛

۷۳۔ غنی ابن عسر سے۔ بنو غنی ؛

قبایل ذیل غنی کی اولاد میں ہیں

۷۴۔ بنو خفینہ ؛ ۷۵۔ بنو بہشہ ؛ ۷۶۔ بنو عبید

۷۷۔ مبنہہ ابن عسر سے ؛ بنو مبنہہ ؛

قبائل ذیل مبنہہ کی اولاد میں ہیں

۷۸۔ بنو حصر ؛ ۷۹۔ بنو سنان ؛ ۸۰۔ اشجع ابن غطفان ابن سعب سے بنو اشجع ؛

قبائل ذیل اشجع کی شاخ ہیں

۸۱۔ بنو دہمان ؛ ۸۲۔ ذبیان ابن بغیض ابن رئیس ابن غطفان سے ؛ بنو ذبیان ؛

قبائل ذیل ذبیان کی اولاد میں ہیں

۸۳۔ بنو خزارہ ؛ ۸۴۔ بنو العشراء ؛

۱۱۵ معاویہ ابن کلاب ابن ربیعہ سے بنو معاویہ ؛ ۱۱۶۔ جعفر ابن کلاب سے۔ بنو جعفر ؛

۱۱۷۔ اولاد عمرو ابن کلاب سے بنو دوان ؛ ۱۱۸۔ اولاد عبداللہ ابن کعب ابن ربیعہ سے بنو العجلان ؛

۱۱۹۔ اولاد قیشر ابن کعب سے بنو ضمرہ ؛ ۱۲۰۔ اولاد منبہ ابن ہوازن سے۔ ابو شقیف ؛

قبائل ذیل ابو شقیف کی اولاد میں ہیں

۱۲۱۔ بنو مالک ؛ ۱۲۲۔ بنو احلاف ؛

۱۲۳۔ طانجہ ابن الیاس ابن مضر سے بنو طانجہ یا بنو خندف ؛ ۱۲۴۔ تیم ابن عبد مناۃ ابن عدا ابن طانجہ سے۔ بنو تیم ؛

۱۲۵۔ عدی ابن عبد مناف سے بنو عدی ؛ ۱۲۶۔ نورا ابن عبد مناۃ سے۔ نوری ؛

قبائل ذیل عبد مناۃ کی اولاد میں ہیں

۱۲۷ الربا یا ؛ ۱۲۸۔ بنو نصر ؛ ۱۲۹۔ بنو مازن ؛ ۱۳۰۔ بنو اسد ؛

۱۳۴۔ بنو عایدہ ؛ ۱۳۲۔ تیم اللات ؛ ۱۳۳ ؛ بنو زبان ؛ ۱۳۴۔ بنو عوف ؛

۱۳۵۔ بنو شیبتم ؛ ۱۳۶۔ بنو الزحل ؛ ۱۳۷۔ بنو بجالہ ؛

۱۳۸۔ مزینہ ابن عدا ابن طانجہ سے۔ ۱۳۹۔ مرا ابن عد سے۔ بنو طاعنہ ؛

مزنی

قبائل ذیل طاعنہ کی شاخ ہیں

۱۴۰۔ بنو صوفہ ؛ ۱۴۱۔ تمیم ابن مر سے۔ بنو تمیم ؛

قبائل ذیل تمیم کی اولاد میں ہیں

۱۴۲۔ حنبلات ۱۴۳۔ بنو عصیہ
۱۴۴۔ البراجم ۱۴۵۔ بنو کلیب
۱۴۶۔ بنو ریاح ۱۴۷۔ بنو مرہ
۱۴۸۔ بنو مقرہ ۱۴۹۔ بنو حمان
۱۵۰۔ بنو حنظلہ ۱۵۱۔ بنو دارم
۱۵۲۔ بنو عدویہ ۱۵۳۔ بنو لطیہ
۱۵۴۔ آل صفوان
۱۵۵۔ آل عطارد ۱۵۶۔ بنو عوف
۱۵۷۔ مدرکہ ابن الیاس ابن مضر سے
۱۵۸۔ حذیل ابن مدرکہ سے بنو حذیل
بنو عدرکہ یا بنو حذف۔ یا حذیلی۔
۱۵۹۔ تمیم ابن سعد ابن حذیل سے بنو تمیم
۱۶۰۔ جریب ابن سعد سے بنو جریب۔
۱۶۱۔ مناعہ ابن سعد سے بنو مناعہ۔
۱۶۲۔ خناعہ ابن سعد سے بنو خناعہ۔
۱۶۳۔ جہیم ابن سعد سے جہی۔
۱۶۴۔ غنم ابن سعد سے غنمی
۱۶۵۔ حرث ابن سعد سے حرثی۔
۱۶۶۔ خزیمہ ابن مدرکہ سے بنو خزیمہ
۱۶۷۔ الہون ابن خزیمہ سے بنو الہون۔

قبائل ذیل الہون کی اولاد میں ہیں

۱۶۸۔ بنو القارہ ۱۶۹۔ عضلی
۱۷۰۔ الدیشی
۱۷۱۔ اسد ابن خزیمہ سے بنو اسد۔
۱۷۲۔ دوران ابن سعد سے دودانی۔
۱۷۳۔ کاہل ابن اسد سے کاہلی۔
۱۷۴۔ حملہ ابن اسد سے حملی۔
۱۷۵۔ عمرو ابن اسد سے عمری۔

قبائل ذیل عمرو کی اولاد میں ہیں

۱۷۶۔ بنو قنص ۱۷۷۔ بنو العبدا۔
۱۷۸۔ بنو نفر ۱۷۹۔ بنو الزنیہ

۱۸۰۔ بنوعاصرہ ۱۸۱۔ بنولغامہ ۱۸۲۔ کنانہ ابن خزیمہ سے بنو کنانہ

۱۸۳۔ مالک ابن کنانہ سے ابومالک۔

قبائل ذیل مالک کی اولاد میں ہیں

۱۸۴۔ بنوفقین ۱۸۵۔ بنوفراس ۱۸۶۔ بنوبجیر۔

۱۸۷۔ ملکان ابن کنانہ سے بنو ملکان۔ ۱۸۸۔ عبدمنات ابن کنانہ سے بنوعبدمنات۔

قبائل ذیل عبدمنات کی اولاد میں ہیں

۱۸۹۔ بنومدلج ۱۹۰۔ بنوجذیمہ۔ ۱۹۱۔ بنولیث ۱۹۲۔ بنوالدیل۔

۱۹۳۔ بنوضمرہ ۱۹۴۔ بنوغفار ۱۹۵۔ بنوعرنج۔

۱۹۶۔ عمرو ابن کنانہ سے عمریون ۱۹۷۔ عامر ابن کنانہ سے عامریوں۔

قبائل ذیل کنانہ کی شاخ ہیں

۱۹۸۔ الاحابیش ۱۹۹۔ نضر ابن کنانہ سے بنوالنضر۔

۲۰۰۔ مالک ابن نضر سے بنومالک۔ ۲۰۱۔ الحرث ابن مالک سے مطیبین۔

قبائل ذیل الحرث کی شاخ ہیں

۲۰۲۔ بنوالخلج۔ ۲۰۳۔ فہر ابن مالک سے بنوفہر یا قریش۔

۲۰۴۔ محارب ابن فہر سے بنومحاریب۔ ۲۰۵۔ غالب ابن فہر سے بنوغالب۔

۲۰۶۔ تیم ابن غالب سے بنوتیم یا بنواللارم۔ ۲۰۷۔ لوی ابن غالب سے بنولوی۔

۲۰۸۔ عامر ابن لوی سے بنوعامر۔

قبائل ذیل عامر کی اولاد میں ہیں

۲۰۹۔ حسل ۲۱۰۔ معیص۔ ۲۱۱۔ سامہ ابن لوی سے بنو سامہ

۲۱۲۔ سعد بن لوی سے بنو سعد۔

قبائل ذیل سعد کی شاخ ہیں

۲۱۳۔ بنانہ۔ ۲۱۴۔ خزیمہ ابن لوی سے بنو خزیمہ۔

قبائل ذیل خزیمہ کی شاخ ہیں

۲۱۵۔ بنو عایذہ۔ ۲۱۶۔ حرث ابن لوی سے بنو الحرث۔

۲۱۷۔ عوف ابن لوی سے بنو العوف۔ ۲۱۸۔ کعب ابن لوی سے بنو کعب۔

۲۱۹۔ عدی ابن کعب سے بنو عدی۔ ۲۲۰۔ ہصیص ابن کعب سے بنو ہصیص۔

قبائل ذیل ہصیص کی اولاد میں ہیں

۲۲۱۔ بنو سہم ۲۲۲۔ بنو جمح۔ ۲۲۳۔ مراہ ابن کعب سے بنو مرہ۔

۲۲۴۔ تیم ابن مرہ سے بنو کلاب ۲۲۵۔ مخزوم ابن مرہ سے بنو مخزوم۔

۲۲۶۔ کلاب ابن مرہ سے بنو کلاب ۲۲۷۔ زہرہ ابن کلاب سے بنو زہرہ۔

۲۲۸۔ قصی ابن کلاب سے بنو قصی یا مجمع۔

قبائل ذیل کلاب کی اولاد میں ہیں

۲۲۹۔ توفلیون ۲۳۰۔ عبدالدار ابن قصی سے داری۔

قبائل ذیل عبدالدار کی شاخ ہیں

۲۳۱۔ شیبی ۲۳۲۔ امیہ ابن عبدالشمس ابن عبد مناف ابن قصی سے بنو امیہ۔

۲۳۳۔ ہاشم ابن عبد مناف سے بنو ہاشم۔

۲۳۴۔ عبدالمطلب ابن ہاشم سے بنو مطلب۔
۲۳۵۔ عباس ابن عبدالمطلب سے عباسی۔
۲۳۶۔ علی ابن ابوطالب ابن عبدالمطلب سے علوی۔
۲۳۷۔ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ سادات بنی فاطمہ علیہا السلام۔

اس مطلب سے کہ اقوام مذکورہ بالا کا سلسلہ بخوبی ذہن نشین ہوجائے اور آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ اس مقام پر ایک شجرہ عرب مستعربہ کی قوموں کا شامل کیا جاتا ہے۔

عرب کی قوموں کے بیان کو ختم کرتے وقت اس بات کا بیان کرنا مناسب ہے کہ عرب میں ایک دستور تھا کہ ایک ضعیف ذم یا وہ قوم جو زوال کی حالت میں پڑ جاتی تھی۔ اکثر اپنے آپ کو کسی زبردست قوم میں ملا دیتی تھی اس اختلاط کے مقصد کو نہ سمجھنے سے غیر ملک کے مورخ بڑی غلطی میں پڑے ہیں کیونکہ ان میں سے بعضوں نے یہ خیال کیا ہے اور بعض مورخ اب تک یہی سمجھتے ہیں کہ اس اختلاط نسب کے اختلاط سے علاقہ رکھتا ہے اور اس کے بعد وہ دونوں قومیں ایک ہی لقب یعنی زبردست قوم کے لقب نسبی سے ملقب ہوجاتی تھیں اور اسی بنا پر ان کا مقولہ ہے کہ عرب کی قومیں انقلابات اجتماع کے ہمیشہ زیر نشق رہی ہیں لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ وہ دونوں قومیں اس طرح پر مخلوط نہیں ہوتی تھیں کہ ایک مورث اعلیٰ کی نسل سے خیال کی جاتی ہوں بلکہ اس اختلاط کے یہ معنی تھے کہ زبردست قوم زبردست قوم کے تابع اور اس قوم کے قوانین اور رسم ورواج کی پابند

ہو جاتی تھی اور ضرورت کے وقت اور ہر ایک امر میں اس قوم کی ساتھی اور مددگار ہوتی تھی۔ دونوں قوموں کے آدمی ایک ہی نامی سردار کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے تھے اور اگر ان دونوں قوموں کے کسی آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا جس کے عوض تمام قوم سے تاوان لئے جانے کا دستور تھا تو وہ تاوان برابر دونوں قوموں پر عائد ہوتا تھا۔

لفظ سراسین کی تحقیق

اس خطبے کے ختم کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ لفظ "سراسین" کی بابت جو یونانیوں نے زمانۂ جاہلیت کے بعض عربوں کی نسبت استعمال کیا ہے اور جس کا اطلاق انجام کار تمام جزیرہ نمائے عرب کے باشندوں پر قبل ظہور اسلام اور فیز بعد ظہورِ اسلام ہو گیا ہے۔ کچھ گفتگو کی جاوے۔ متعدد مورخوں نے اپنی ذہانت کو اس لفظ کے ماخذ کے بیان کرنے کی کوشش میں صرف کیا ہے اور ہر ایک نے ایک نیا ڈھنگ اس کے ماخذ تلاش کرنے کا اختیار کیا ہے جس نے بارہا پرانے تعصبات کو ظاہر کر دیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ بات کافی ہے کہ رورنڈ پوکاک صاحب نے اپنی کتاب تاریخ عرب میں جو کچھ اس کی نسبت لکھا ہے بعینہٖ اس کو اس مقام پر ترجمہ کر دیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ اس مضمون پر ہمارے مصنفوں نے اب تک جو کچھ چھاپا ہے اس میں کسی جگہ میں اس امر کی قابلِ اطمینان دلیل نہیں پاتا ہوں۔

کہ وہ لوگ جو پہلے عرب کہلاتے تھے۔ آخر میں "سراسین" کے نام سے کیوں موسوم ہوئے۔ جن لوگوں نے کہ اس نام کو سرے سے مشتق کیا ہے ان کی رائے کی کما حقہ تردید ہو گئی ہے اب عموماً یہ گمان ہے کہ یہ نام "سرق" (چوری) سے نکلا ہے۔ جس سے ایک وحشی اور لٹیری قوم سے صریح مراد ہے۔ مگر یہ نام ان کو کہاں سے ملا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ نام خود انہیں کے ہاں سے نہیں شروع ہوا ہوگا۔ بلکہ کسی اور قوم کی زبان سے یہ لفظ لیا گیا ہے کیونکہ عرب ایسے نام کو جو موجب رسوائی اور ذلت کا ہے اپنے لئے کب گوارا کرتے اب عالموں کو یہ تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا ان لوگوں کے نام کو جو عام طور پر اور علانیہ قزاقی اور رہزنی کے لئے مشہور ہیں۔ لفظ سرق سے مشتق کرنا جائز ہو سکتا ہے جس کے معنی خفیہ چوری کرنے کے ہیں یا نہیں اب اگر کوئی سراسین کی تحقیق میں میری تبعیت کرنا چاہے تو اس کو اپنی آنکھیں شرق کی جانب کھولنی چاہئیں۔ کس واسطے کہ سراسینس سراسی نائے کی آواز میں شرقی اور اسکی جمع شرقیوں اور شرقیئین کی نسبت کیا فرق ہوگا جس کے معنی اہل الشرق یعنی باشندگانِ شرقی کے ہیں جس طرح کہ سابق میں عربوں کو علی الخصوص یہودی خیال کرتے تھے کیوں کہ اس کی سرزمین کا شرقی حصہ احسب قول (طاسیطوس) عرب سے محدود ہے اسی طرح توریت مقدس (سفر تکوین باب ۱۰ درس ۳۰) یقطان کی اولاد کو جو عرب تھی مشرق میں بیان کرتی ہے یعنی ساحل کے اس حصہ پر جو مابین "مشام" اور "سفار" کے مشرق میں ایک پہاڑ واقع ہے یعنی اگر "آرساڈیاس"

قابلِ اعتبار ہے۔ من مکۃ الی تجئ مدینۃ الجبل الشرقی"
یعنی مکہ سے وہاں تک کہ تم اس مشرقی پہاڑ کے شہر تک آؤ یا جیسا کہ سودہ
"کوڈیکس" میں مرقوم ہے اسے "المدینۃ الشرقی" یعنی مشرقی شہر
تک (جس سے میری دانست میں مدینہ) مراد ہے) جو جانب شرق واقع
ہے۔ حضرت سلیمان کی عقل تمام اہل الشرق کی عقل سے بڑھ کر خیال کی
گئی ہے یعنی (حسب بیان اس یہودی کے گودہ کوئی ہو جس نے کہ صحف
ملوک کا عربی میں ترجمہ کیا) "سراسین" یا عربوں کی عقل سے اسطرح
پر سیاہ نبی (باب ۹ ہم درس ۲۸) میں اعراب یعنی قیدار کو "اہل الشرق" کہا
ہے۔ علامہ ہیوگو گرشیس" بیان کرتا ہے کہ عیسائیان سابق کی یہ رائے
تھی کہ وہ عقلا جو حسب بیان متی حواری (باب ۲ ہم) پرستش کو آئے تھے
ملک عرب سے آئے تھے اور اس کا خود بھی یہی عقیدہ تھا۔ ناسوس (فوکیس میں)
لکھتا ہے کہ میں نے اپنی سفارت کی جو جانب بنی عشوفیہ۔ بنی حمیر اور
سراسین اور دیگر اقوام پرستش کنندہ کی تھی۔ تعمیل کردی۔ اس لئے سراسینس
کا اور مشرقی اقوام کے زمرہ میں شامل ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ وہ
مشرق میں آباد تھے۔ محمد الفیروز آبادی۔ صفی الدین اور اور لوگوں کا
بیان ہے کہ مشرق کے چند اور مقامات بھی بدیں وجہ کہ وہ مشرق کے
اور حصوں میں واقع تھے۔ بنام "شرقہ و شرقیہ" موسوم تھے اور ان کا
یہ بھی بیان ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ ایسے مقامات کے باشندے اہل الشرق
کہلاتے ہیں۔ ایسی ہی دلیل سے ان لوگوں کو بھی جو ایسے ملک میں بستے

ہوں کہ بہ لحاظ اور ملکوں کے "الشرق" یعنی پورب کہلاتا ہوا اُسی نام سے
مخاطب کیوں نہیں کرنا چاہیے۔ ورنہ وہ اپنے اور ان لوگوں کے درمیان
جو اپنی ہی بولی میں اپنے آپ کو مغربی یعنی باشندہ جزیرۂ موری تانیہ کہتے
ہیں۔ کس طرح پوری پوری تمیز کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جیسے کہ باشندہ
ملک مغرب المغاربہ کہلاتے ہیں وہ لوگ بھی جو عرب میں متوطن ہیں مشارقہ
یا سراسینس کہے جا سکتے ہیں اور یہ نام ان کی عادات و اوزاع کے لحاظ
سے نہیں رکھا گیا ہے بلکہ باعتبار ان کی جائے سکونت کے رکھا گیا ہے
اسی طرح سے تم اس مشہور و معروف حکیم بوعلی سینا کی اس نامی کتاب
کا نام سراسینک فلاسفی یعنے الفلسفہ المشرقیہ کچھ اس کی جاہلیت کی وجہ
سے نہیں کہتے ہو بلکہ اس کے مشرقی ہونے کے سبب سے۔ رہی یہ بات کہ
عربی حرف ش کا یونانی کی مانند تلفظ ہوا ہے اس سے کوئی دشواری نہیں
ہوتی کیونکہ وہ عبرانی حرف کا بھی اسی طرح تلفظ کرتے تھے۔ لفظ سراسینس
کا ایک اور مادہ بھی ہو سکتا ہے یعنے "شرک" اس واسطے کہ وہ خدائے
واحد کے شریک قرار دیتے تھے لیکن یہ نام جو قدیمی عربوں کی نسبت اس
قدر موزوں ہے مسلمان لوگ ان کا اطلاق ازراہ بے انصافی و ناحق
اندیشی عیسائیوں پر کرتے ہیں اور عیسائی اس سے استعفار بھیجتے ہیں۔ مگر یہ
امر ہمارے مضمون سے علاقہ نہیں رکھتا۔

ہمارے اس خطبہ کے ساتھ ملک عرب کا ایک نقشہ بھی ہوگا جس سے
امید ہے کہ اکثر متنازعہ فیہ مقامات مختلف قوموں کی سکونت گزینی کا

ٹھیک مقام بہت سے بیانوں کا صحیح صحیح موقع۔ پہاڑوں، شہروں وغیرہ کی کیفیت و اصلیت دریافت ہو جائے گی۔

شاید اس کے پڑھنے والے کو توقع ہو کہ نامی گرامی شہر مکہ معظمہ کا مفصل حال اس کی بنا، کی کیفیت سنگ اسود کی اصلیت اور اُن رسوم کی ابتدا اور ان کی حقیقت جو بیت اللہ میں کی جاتی ہے یہ سب باتیں اس خطبہ میں دریافت ہوں گی۔ لیکن چونکہ ایسے عظیم الشان اور دلچسپ مضامین کی کامل تشریح کی اس خطبہ میں گنجائش نہ ہوتی اس لئے ہم ان کا بیان ایک اور خطبہ میں کسی قدر تفصیل کیساتھ کرینگے۔

نقشہ متذکرہ بالا میں ہم نے ان مقامات کو بھی درج کیا ہے جنکا حوالہ توریت مقدس سے دیا ہے اور ان کے ساتھ اس پاک کتاب کے مخصوص بابوں اور آیتوں کا بھی حوالہ دیدیا ہے۔

ان مقامات کی ٹھیک ٹھیک جگہوں کے متعین کرنے میں ہم نے اس بے بہا نقشہ عرب سے فائدہ اٹھایا ہے جس کا رورنڈ کارٹر نی کیری ایم۔ اے نے مرتب کیا ہے۔

النصوص الباهرة فی حرية الهاجرة ما يستفاد من كتب اليهود افادها

المولوی عنایت رسول چڑیا کوٹی سلمہ اللہ تعالیٰ

ہم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نام عبری زبان میں (هاغار) اور

عربی میں (ہاجر) یہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں۔

سفر الیشار میں جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے لکھا ہے کہ شہر بابل دارالسلطنت نمرود میں جہاں تارح یعنی آذر اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے تمام خاندان کے لوگ رہتے تھے۔ ایک شخص حکیم ہزمندز کے الطبح فطین جو اکثر علوم و صنائع میں کمال رکھتا تھا رہتا تھا اس کا نام رقیون تھا۔ مگر وہ بہت مفلس اور محتاج و مفلوک تھا۔ تنگدستی و سختی سے وطن میں رہنا نامناسب سمجھ کر مصر کی راہ لی جب وہ وہاں پہنچا اور اس کی لیاقت و دانشمندی باشندگان مصر پر ظاہر ہو گئی تو بادشاہ مصر نے اس کو براہ قدردانی اعیان سلطنت میں داخل کیا۔ رفتہ رفتہ بالکل حاوی ہوا۔ بالآخر وہاں کا بادشاہ ہو گیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس کا لقب فرعون ہوا۔ اسی فرعون کے زمانہ بادشاہت میں بوجہ قحط سالی کے حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے مع اپنے اہل بیت کے مصر میں تشریف لے گئے۔

رقیون اور ھاغار دونوں عبری لفظ ہیں اور اس سے استدلال ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں عبرانی یعنے بنی عیبر تھے اور کیا عجب ہے کہ اُسی قبیلے کے ہوں جس قبیلے کے حضرت ابراہیم تھے اور ظاہرا اسی خیال سے کہ بادشاہ مصر ان کا ہم وطن یا ہم قبیلہ ہے اس قحط و مصیبت میں حضرت ابراہیم نے مصر میں جانے کا قصد کیا ہو جیسا کہ ہر ایک ان ن کو ایسے موقع پر اس قسم کا خیال ہو سکتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم مصر میں پہنچے اور انہوں نے حضرت سارہ کا اپنی بیوی ہونا ظاہر نہ کیا۔ بلکہ بہن ہونے کا جو رشتہ تھا وہ ظاہر کیا۔ تو فرعون نے حضرت سارہ سے شادی کرنی چاہی اور حضرت ابراہیم کو بہت کچھ دے کر حضرت سارہ کو بقصد شادی اپنے گھر لے گیا۔

اس واقعہ سے بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ فرعون بادشاہ مصر کو بسبب ہم قوم ہونے کے زیادہ تر حضرت سارہ سے شادی کرنیکی رغبت ہوئی تھی۔

غرض کہ ہنوز شادی نہ ہونے پائی تھی کہ مختلف قسم کے صدمات فرعون پر واقع ہوئے اور ان کے سبب سے فرعون نے حضرت سارہ کے حال کی زیادہ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابراہیم کی بیوی بھی ہیں اسی وقت فرعون نے ان کو حضرت ابراہیم کے پاس بھیج دیا اور ہاجرہ اپنی بیٹی کو بھی ان کے سپرد کر دیا۔

فرعون نے جو اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت سارہ کے ساتھ کر دیا ظاہر اس کے کئی سبب معلوم ہوتے ہیں ابراہیم سارہ کی نیکی اور بزرگی اور ان کا اور فرعون ہاجرہ کا ہم قوم ہونا اس بات کے لئے بڑی رغبت ہوئی ہوگی کہ فرعون اپنی بیٹی کو ان کی تعلیم اور تربیت اور صحبت میں سپرد کرے کیونکہ مصری اس کے قوم اور قبیلے سے نہ تھے علاوہ اس کے اس زمانے میں اور اس خاندان میں شادی بیاہ میں ہم کفو ہونے کا بہت خیال تھا۔ مصر میں رقیون فرعون مصر کے خاندان کا کوئی شخص

نہ تھا اور یہ بہت بڑی ترغیب اس بات کی تھی کہ ہاجرہ سارہ کے سپرد کی جاوے تاکہ ان کی تربیت میں رہے اور کہیں کفو میں اس کی شادی ہو جاوے۔ رخصت کے وقت فرعون نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو سمجھایا کہ تیرا رہنا ان کے ساتھ تیرے لئے میرے پاس رہنے سے بہتر ہے اس سمجھانے سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کس خیال سے فرعون نے اپنی بیٹی ان کے سپرد کی تھی۔

بعد اس کے جب حضرت ابراہیم مع ہاجرہ فرعون کی بیٹی کے وہاں سے چلے تو فرعون نے ان کے ساتھ پیادے بحور کئے تاکہ بحفاظت پہنچ جاویں۔ چنانچہ یہ سب لوگ بہ آرام تمام معہ احمال و اثقال و لونڈی و غلام وغیرہ کے جو بادشاہ مصر نے ان کو دیئے تھے اپنے ملک میں جہاں انہوں نے سکونت اختیار کی تھی وہاں پہنچ گئے۔ اس وقت ابراہیم ہاجرہ کی بدولت بہت دولتمند اور مالدار ہو گئے چنانچہ توریت میں لکھا ہے۔

ان لفظوں کو اس مقام پر عربی خط کے حرفوں میں لکھتے ہیں۔

وَتَعَلَ اَبْرَام مِمصِر اِیم ھُوَ وَاشتُو وَخَل اِشتِرلُو وَلُوط عَتُو ھَنِغبَا وَابرَام گابید مِنُودِ بِمقنہ وَبکسف وَنرِ اِھاب۔

ترجمہ عربی:۔ فصعد ابرام من مصر ھو وزوختہ وکل مالہ ولوط معہ الی القبیلۃ وابرام عظیم جدا بالماشیۃ و

الفضۃ والذھب۔

ترجمہ اردو اور کوچ کیا ابراہیم نے مصر سے اس نے اور اسکی بی بی نے مع اپنے کل مال کے اور لوط کے شمال طرف کو (کتاب پیدائش باب ۱۳ آیت ۱ و ۲)۔

غرض اس مورخ کے بیان سے ظاہر ہے کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں تعلیم تہذیب کے لئے سارہ کے سپرد کی گئی تھیں اور ان کا ہم وطن ہونا بلکہ ادنیٰ تامل سے اہل خاندان سے ہونا پایا جاتا ہے۔

مفسرین توریت بھی حضرت ہاجرہ کو بادشاہ کی بیٹی لکھتے ہیں چنانچہ (ربی شلمو واسحاق) نے کتاب پیدائش کے سولہویں باب کی پہلی آیت کی تفسیر میں جو لکھا ہے اس کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

اس عبارت کو عربی خط کے حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

"لبن برعه هايتا كشرا لنيم شنعسو اسارة امر موطاب شتها بتي شفحه بليت زه ولكبيره بيت احير"

ترجمہ عربی۔ هی كانت بنت فرعون لما راة الايات التی اخرجت لسارة قال ما اطيب ان تكون بنتی خادمة فی بيتة زاوله ان تكون سيدة فی بيت اخر۔

ترجمہ اردو۔ وہ فرعون کی بیٹی تھی جب دیکھا ان کرامات کو جو بوجہ سارہ واقع ہوئیں۔ تو کہا بہتر ہے کہ رہے میری بیٹی اس کے گھر میں خادمہ ہو کر۔ اس سے کہ ہو دوسرے کے گھر میں ملکہ۔

اس عبارت کا ترجمہ اس طرح پر بھی ہو سکتا ہے کہ میری بیٹی کا رہنا اس کے خاندان میں خادمہ ہو کر بہتر ہے دوسرے خاندان میں ملکہ ہو کر رہنے سے۔

۱۸۵۰ء میں بمقام کلکتہ اسی بات کا مباحثہ ہوا تھا اور اکثر یہودیوں نے اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ حضرت ہاجرہ لونڈی نہیں تھیں بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں۔

توریت مقدس سے کسی طرح حضرت ہاجرہ کا لونڈی ہونا ثابت نہیں ہے۔ نہایت صاف اور روشن بات ہے کہ اس وقت کے حالات پر جو ہم نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لونڈی و غلام دو طرح پر ہوتے تھے شرع سے اور غنیمت سے یعنے وہ لونڈی و غلام ہوتے تھے جو لڑائی میں اسیر ہو کر آتے تھے اور وہ (مشیبوث حرب) کہلاتے تھے یعنی غنیمت جنگ، صیف یا وہ لونڈی اور غلام کہلاتے تھے جو خریدے جاتے تھے اور ان کو مقنت کسف کہتے تھے یا ان کی اولاد لونڈی و غلام ہوتے تھے۔ یلید بابیت ولید البیت یعنے خانہ زاد مگر حضرت ہاجرہ ان باتوں سے پاک تھیں پھر وہ کیونکر لونڈی ہو سکتی تھیں ان کو لونڈی کہنا محض بہتان ہے۔

اب رہی یہ بات کہ یہودی ان کو کیوں لونڈی کہتے تھے اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہودی بنی اسمٰعیل کی ہمیشہ حقارت کرتے ہیں اور ضد و عداوت سے ایسی باتیں جن سے بنی اسمٰعیل بہ نسبت بنی اسرائیل کے

حقیر سمجھے جاویں، منسوب کرتے ہیں اور اسی خیال سے ان لوگوں نے غلط طور پہ توریت مقدس سے بھی ہاجرہ کے لونڈی ہونے پر استدلال کیا ہے۔ مگر وہ استدلال سرتا پا غلط اور بالکل تحریف ہے جس کو بالتفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔

حضرت سارہ ادھیڑ ہو گئی تھیں اور ان کے اولاد نہ ہوتی تھی اس لئے انہوں نے حضرت ہاجرہ کو زوجہ بنانے کی اجازت دی کہ انہیا سے کچھ اولاد پیدا ہو۔ چنانچہ ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ اس کے چند روز بعد حضرت سارہ بھی حاملہ ہو گئیں اور حضرت اسحاق پیدا ہوئے حضرت اسحاق کئی برس کے ہو گئے تھے ان کا دودھ بھی چھوٹ چکا تھا اور حضرت اسمٰعیل ان سے عمر میں کچھ بڑے تھے دونوں میں آپس میں کچھ تکرار ہو گئی جیسا کہ دو بچوں میں ہو جاتی ہے۔ حضرت سارہ کو یہ بات بری معلوم ہوئی اور اس لڑائی جھگڑے میں حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی کو اور اس کے لڑکے کو نکال دو اس مقام پر جو حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہا اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ وہ حقیقت میں لونڈی تھیں بلکہ جس طرح عورتیں لڑائی اور غصہ میں خصوصًا جبکہ وہ عورتوں بلکہ دو سوکنوں میں بچوں پر تکرار ہو جائے ایک دوسری کو تہتک اور حقارت کے کلمے کہہ اٹھتی ہیں۔ اسی طرح حضرت سارہ نے بھی یہ لفظ امہ یعنے لونڈی کا حضرت ہاجرہ کی نسبت کہا اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ درحقیقت لونڈی تھیں

مگر یہودیوں کو اور جو لوگ یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں ان کو ایک موقع حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہنے کا مل گیا۔

حضرت سارہ کی اس بات سے حضرت ابراہیم نہایت ناراض ہوئے مگر خدا نے ان کی تسلی کی اور کہا کہ اس لونڈی اور بچہ کی طرف سے رنج مت کر تو ان کو نکال دے۔ میں اس لونڈی کے بچے سے ایک قوم پیدا کروں گا۔

اس مقام پر جو خدا نے لونڈی کو کہا وہ بعینہ نقل سارہ کے قول کی ہے۔ یعنی سارہ نے جس کو حقارت سے لونڈی اور لونڈی کا بچہ کہا ہے۔ اسی سے میں ایک قوم پیدا کروں گا۔ یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی لائق آدمی کو کہے کہ یہ نالائق کیا کام کرتا ہے پس اس دوسرے شخص کا بھی اس کو نالائق کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ کہ درحقیقت وہ شخص نالائق ہے اور جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ہاجرہ بیٹی رقیون یا دشاہ مصر کی بلکہ ہم قوم و ہم وطن ابراہیم کی تھیں اور جو وجوہ رقیت کی اس زمانے میں تھیں ان سے بھی حضرت ہاجرہ بری تھیں تو ان الفاظ سے جو لڑائی جھگڑے وغصے میں بولے گئے ہیں اسی طرح ان کا واقعی لونڈی ہونا مراد نہیں ہو سکتا۔

علاوہ اس کے لفظ امہ مجازاً محاورے میں زوجہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ دختر کا باپ بروقت شادی کے بعوض

دختر کے پسر کے باپ سے کچھ روپے لیتے تھے تب بیٹی دیتے تھے جیسے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی بعض قوموں میں دستور ہے اور اس دستور کو بیٹی کا بیچنا کہتے تھے مگر وہ لونڈی نہ ہوتی تھی بلکہ زوجۂ شرعی ہوتی تھی اور تمام حقوق زوجیت کے اس کو حاصل ہوتے تھے۔ ایسی زوجہ پر بھی لونڈی کا مجازاً اطلاق ہوا ہے، چنانچہ توریت مقدس کی دوسری کتاب باب ۲۱ آیت ۷ میں لکھا ہے کہ "خدا نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کو بیچے (امہ) ہونے کے لئے تو وہ لونڈیاں کی طرح نکل نہ جائے گی اگر وہ اپنے مالک کی نظر میں ناپسند ہو جس سے اس نے رفاف نہیں کیا تو فدیہ دے گا۔ نوجیہ ناپسند ہونے کے۔ اجنبی قوم کے پاس بیچ نہیں سکتا۔ اور اگر اپنے پسر کی خلوت میں دیا تو لڑکیوں کے دستور کے موافق برتاؤ ہوگا۔ اور اگر اس کے اوپر دوسری کرلی تو حقوق زوجیت یعنی کھانا کپڑا خلوت کم نہ کرے گا اور اگر یہ تینوں امر اس کے ساتھ نہ کئے جائیں تو بلا تردد چھوٹ جائے گی۔

جو کہ ان آیتوں سے مسائل فقہیہ مستنبط ہوتے ہیں اس لئے علمائے یہود نے اس میں بہت غور کی ہے۔ کل مباحثہ لکھنا طول ہے مگر حسب قدر کہ اس مقام کے مناسب ہے مختصراً لکھا جاتا ہے۔

ان تینوں آیتوں میں لفظ امہ سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی اول تو انہیں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لونڈی سے بیوی یعنی زوجہ شرعی مراد ہے دوسرے یہ کہ یہ سب آیتیں بنی اسرائیل کی شان میں ہیں

جیسا کہ سیاق دلالت کرتا ہے اور بموجب توریت مقدس کے لونڈیوں کی طرح بنی اسرائیل کی بیع وشرا جائز نہیں ہے چنانچہ اسکی تفصیل توریت مقدس کی تیسری کتاب باب ۲۵۔ آیت ۲۴ اور دوسری کتاب باب ۲۱۔ آیت ۳ میں مندرج ہے۔ بنی اسرائیل چوری کے جرم میں یا دشمن کی قید میں سے چھڑانے کے لئے خریدے جا سکتے تھے اور صرف سات برس تک مالک کی بطور غلام کے خدمت کرتے تھے حضرت یوسف کے بھائی بھی چوری کے جرم میں بطور غلام رکھ لئے گئے تھے مگر وہ غلام نہ تھے ؛

اور اگر فرض کریں کہ اس آیت میں جو احکام ہیں وہ غیر بنی اسرائیل کے لئے ہیں تو بھی آیت کے معنے درست نہ ہوں گے کیونکہ غیر بنی اسرائیل لونڈی وغلام پچاسویں برس از خود آزاد ہو جاتے تھے اور آیت میں حکم ہے کہ وہ آزاد نہ ہو گی اس مقام پر تفسیر رشی کی عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے مطلب مذکور ثابت ہوتا ہے ؛

صورت اس کی عربی خط میں توراۃ ؛

اِم رَاعَہ بِعَینی اَدُونیھا شِلُّ نا بِنَہ حِین بِعینا وَ نحوشاہ :
اَشرُ لا یِعَادَاہ شِھَایا لو لِیعَادَاہ لِھخنیساہ لو لا شاوِسف
قنیتا ہ ھوکسف قد و شیھاو کان رَامز لاخ ھکا لوب
شمصوہ بیودو رَامز لاخ شاینا صریخہ قدّ و شیم اَحرِ لیہ۔

(ترجمہ عربی) وان قبحت بعین بعلھا لا ندہ لخلو تھا ما ھوئے
الذی لھم برضھلہ ولو کان لہ ان یزفھا ویتخلی بھا للتزویج وثمن

شرابها هو ثمن نکاحها وفی الآیۃ کنایۃ بامر النکاح وبانہ لا یجوز مع الغیر عرسها۔

اردو ترجمہ (توریت) اگر بُری ہے اپنے خاوند کی نظروں میں (تفسیر) کہ اُسے رغبت نہ ہوئی اُس کے ساتھ خلوت کی (توریت) جس نے زفاف نہ کیا (تفسیر) کہ اُس کو مناسب تھا اُس سے زفاف اُس کے ساتھ خلوت کرنا جو رد کرنے کے لئے اور قیمت اُس خرید کی قیمت ہے اُس کی شادی کی اور یہاں کنایہ ہے کہ آیت میں حکم شادی کا ہے اور کنایہ ہے کہ وہ دوسرے سے شادی کرنے کی مجاز نہیں ؛

اس موقع پر اس بات کا بھی خیال کرنا چاہیئے کہ جسطرح ایسی جورو پر جس کی بابت بعوض شادی روپیہ دیا گیا ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہوا اسی طرح ایسی جورو پر بھی جو بطور ڈولہ کے آئی ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہوا ہے جس سے کہ ایلی غایل حضرت داؤد کی بیوی پر لونڈی اور خادمہ کا اطلاق ہوا ہے جس کا ذکر عنقریب آتا ہے اور جو کہ یہ امر حضرت ہاجرہ کے حال سے بھی نہایت مناسب تھا اس لئے مجازاً اُن کی نسبت بھی امہ یعنے لونڈی بولا گیا۔ مگر جب کہ رقیت کسی طرح ثابت نہیں ہے تو اُس لفظ سے حقیقی لونڈی مراد نہیں ہو سکتی ؛

اگر یہ کہا جاوے کہ ان مقاموں میں بھی امہ سے جورو مراد ہے مگر سریہ تو یہ کہنا بھی صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ جب بنی اسرائیل کی لڑکیاں لونڈیاں ہو ہی نہیں سکتیں تھیں تو سریہ کیونکر ہو سکتی ہیں ؛

اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جن مقاموں کا بیان ہوا وہاں قرینہ ہے جس سے امہ سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی مگر جہاں حضرت ہاجرہ کی نسبت امہ کا اطلاق ہوا ہے وہاں کیا قرینہ ہے جس سے حقیقی معنے چھوڑ کر مجازی معنے لئے جاویں اس شبہ کے رفع کرنے کو ناظرین کو ذرا توجہ کی تکلیف دیجاتی ہے ؛

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بلکہ اس کے بعد بھی یہ دستور تھا کہ لونڈی میراث نہیں پاتی تھی. چنانچہ اسی وجہ سے لیا اور راحیل یعقوب علیہ السلام کی بیویوں نے اُن سے کہا کہ کیا اب ہمارے لئے اپنے باپ کے گھر میں کچھ حق میراث ہے. کیا ہم اجنبیہ نہیں شمار کی گئیں. کیونکہ بیچ ڈالا ہم کو اور قیمت بھی کھا گیا ؛ پیدائش باب ۳۱ آیت ۱۴ و ۱۵۔

اور لونڈی کی اولاد جو دوسری سے ہو وہ بھی لونڈی اور غلام ہوتی تھی ان کے لئے میراث نہ تھی چنانچہ یہ حکم موسیٰ کو بھی دیا گیا۔ اور لونڈی کی اولاد جو مالک سے ہو وہ بیوی کی اولاد کے ساتھ میراث نہیں پاتی تھی جو کچھ ان کو باپ اپنی زندگی میں دیدیوے وہی اُن کو ملتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے قطورے کی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دے کر الگ کر دیا تھا جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۲۵ میں مندرج ہے جب کہ یہ قاعدہ شرعی معلوم ہو گیا تو اب اصل مطلب کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ جب سارہ نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور اس کے لڑکے کو نکال تو اس کی وجہ یہ بیان کی کہ میراث نہ پاوے لونڈی کا بچہ

میرے بیٹے اسحٰق کے ساتھ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سارہ کو اندیشہ یہی تھا کہ اسمٰعیل اسحاق کے ساتھ میراث پاویں گے. پس اگر ہاجرہ لونڈی ہوتیں یا اسمٰعیل لونڈی بچہ ہوتے تو میراث پانے کا خیال کیوں کر ہوتا بلکہ اس وقت کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ زوجہ مطلقہ میراث نہیں پاتی تھیں اور جس لڑکے کو باپ عاق یعنی ساقط المیراث کر دیتا تھا وہ بھی میراث سے محروم ہو جاتا تھا اس لئے حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ ہاجرہ کو اور اس کے لڑکے کو نکال دے یعنی ایک کو طلاق دے اور ایک کو عاق کرے تاکہ دونوں مستحق میراث نہ رہیں یہ قرینہ ہے کہ ان آیتوں میں امہ کا لفظ جو خلاف محل واقع ہوا ہے اس سے اس کے مجازی معنی مراد ہیں اور حقیقی مراد نہیں ہو سکتے علاوہ اس کے اور بھی قرینے قویہ ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

ان مقامات کے سوا کسی مقام میں حضرت ہاجرہ کی نسبت لونڈی کا لفظ توریت میں نہیں آیا ہے بلکہ شفحہ کا لفظ آیا ہے اور شفحہ کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں انفلوس یہودی نے جس نے توریت کا ترجمہ کالڈی زبان میں کیا ہے شفحہ کا ترجمہ امتا جو بمعنے امۃ لکھا ہے اور اس سبب سے اکثر مترجموں نے توریت کے ترجموں میں جو اور زبانوں میں کئے اس لفظ کا لونڈی ترجمہ کیا۔ حالانکہ لونڈی کو عبری زبان میں (امہ) کہتے ہیں۔ جو عربی لفظ امۃ کا مرادف ہے اور شفحہ کے معنی خادم کے ہیں ہم فقرہ بتانے کے لئے سمول باب ۲۵ کی ۴۱ آیت نقل کرتے ہیں

اس سے امہ اور شفحہ کا فرق ظاہر ہو جاوے گا۔

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وَ تومر ھنہ اَمَا نِنَا لشفحہ برحوس دعلی عبدی اُدونی۔

ترجمہ عربی:۔ وقالت لھم انا امتہ لہ خادمۃ تغسل رجل عبید سیلی۔

ترجمہ اردو۔ اور کہا ہاں اس کی لونڈی خادمہ ہے اپنے سردار کے خادموں کا پاؤں دھونے کے لئے۔

یہ قول اجنبی غائل حضرت داؤد کی بی بی کا ہے جبکہ حضرت داؤد نے اس کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تھا اور وہ بطور ڈولہ کے حضرت داؤد کے یہاں آئی تھیں۔

شفحہ کے اصلی معنی جیسا کہ اہل لغت لکھتے ہیں قبیلہ کی عورت کے ہیں۔ مادہ اس لفظ کا اور (مشابہ) کا جس کے معنی قبیلے کے ہیں ایک ہے۔ لیکن عرف میں اس کے معنی خادمہ کے ہیں۔ پھر اس لفظ سے لونڈی سمجھنا یا غلطی ہے یا تعصب ہے۔

تیرا مقام جہاں سے ان کے لونڈی ہونے پر استدلال کرتے ہیں پیدائش باب ۲۵ پہلی آیت سے چھ آیت تک جس کا ترجمہ یہ ہے اور ابراہیم نے پھر عورت کی جس کا نام قطورہ تھا اور اس سے زمران یقشان، مدان۔ یان۔ لشباق۔ شودہ۔ پیدا ہوئے اور یقشان کے شبا اور ددان پیدا ہوئے۔ ددان کی اولاد اشوریم لطوشیم لامیم۔ مدیان

کی اولاد عیفا عیفر حنوخ ابی دع اور الداعا یہ سب قطورہ کی اولاد ہیں۔ اور دیا ابراہیم نے جو کچھ ان کے تھا اسحاق کو۔ اور سریہ کی اولاد کو ابراہیم نے اپنی حیات میں کچھ دے کر اسحاق کے پاس سے نکال دیا پورب طرف شرقی عرب میں۔ یہاں چھٹی آیت میں واقع ہے لبنی ھیلغشم جس سے استدلال کرتے ہیں۔ پیلغش پلغش جسے کلڈی میں پیلقتا یا پلقتا کہتے ہیں یا لحینا بولتے ہیں اس کے معنی بے شبہ سریہ ہیں اور اس کی جمع موافق قاعدے کے پیلغشم آتی ہے۔ پی سلیمان ابن اسحاق نے لکھا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ جس کے لئے کتبہ صداق یعنے کابین نامہ ہو اُسے ناشیم کہتے ہیں اور جس کے لئے کابین نامہ نہ ہو اُسے پلغشم کہتے ہیں بہر نوع یہ امر ثابت ہے کہ پلغش سریہ ہے استدلال یہ ہے کہ آیت میں پلغشم بہ لفظ جمع ہے اور اس سے مراد قطورہ اور ہاجرہ ہیں کیونکہ سارہ کے سوا یہی دو بیویاں ابراہیم کی ثابت ہیں اس لئے یہ سریہ ہوں گی فقط یہ شبہ پلغشم کے لفظ سے پیدا ہوا حال یہ ہے کہ عبری میں جمع یلے اور میم سے آتی ہے لہذا جمع پلغشم ہونا چاہئے لیکن توریت میں اس مقام میں پلغشم بدون لے کے وارد ہے۔ پلغشم نہیں ہے اس لفظ پر مفسرین نے بحث کی ہے بعض نے اسکو جمع مانا ہے اور یلے کے نہ ہونے کی یہ توجیہ ہے کہ ابراہیم کے ایک ہی سریہ تھی اس واسطے یہ کو گرا دیا۔ رنتی مقصور لکھا گیا کیونکہ ایک ہی سریہ تھی۔ ساتھ ہی اس کے اس مفسر نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ سریہ ہاجرہ

تھیں اور وہی قطورہ ہیں یعنے ہاجرہ اور قطورہ ایک ہی کا نام ہے یہ
بات صحیح نہیں معلوم ہوتی جس کا بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اور اسی
طرح اکثر مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ سریہ ابراہیم کی ایک ہی تھی لہذا پلیغشم
سے جمع مقصود نہیں اور نہ بصورت جمع ہے تو اسی وجہ سے اونقلوس
نے جو قدیم مترجم ہے اس لفظ کے ترجمے میں لحیناثا لفظ واحد اختیار
کیا ہے۔ ایسی حالت میں اس سے استدلال کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ مدار
حجت حجیت تھی اور وہ غیر مسلم ہے باقی رہی یہ بات کہ وہ سریہ جس
کے شان میں یہ آیت وارد ہے ہاجرہ ہیں اس بیان سے کہ ہاجرہ ہی کا
نام قطورہ ہے دعوے بلا دلیل ہے سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ اس
باب میں قطورہ اور ان کی اولاد کا ذکر ہے اور انہیں کو آیت سریہ
بتاتی ہے علاوہ اس کے سفر التواریخ اول کے پہلے باب کی ۳۲ آیت
میں جہاں سب کے نسب نامے لکھے ہیں جو اہل کتاب میں معتبر ہے لکھا ہے
ترجمہ اور بنی قطورہ سریہ ابراہیم فلاں اور فلاں یہ وہی شخص ہیں جنہیں
پیدائش کے باب ۲۵ میں قطورہ کی اولاد گنایا ہے اور فلسطین کے پورب
سکونت کی اجازت دی ہے یہاں سے قطورہ کا سریہ ہونا بخوبی ثابت
ہے اور اسی مقام پر ۳۳ آیت کے اخیر میں لکھا ہے یہی سب قطورہ
کی اولاد ہیں اس سے ثابت ہے کہ قطورہ ہاجرہ نہ تھیں ورنہ اسمٰعیل کو
بھی ان میں شمار کرتا بلکہ اس باب کی ۲۶ آیت میں گنایا ہے۔ ابراہیم کے
بیٹے اسحاق اور اسمٰعیل اس وقت یہ دستور تھا یعنے اکثر یہ محاورہ تھا

کہ بیان نسب میں سریہ کی اولاد کو ما کی طرف نسبت کرتے تھے۔ اور بیوی کی اولاد کو باپ کی طرف۔ اسی لئے نسب نامہ اسمٰعیل کو ابراہیم کی طرف منسوب کیا اور قطورہ کی اولاد کی نسبت ابراہیم کی طرف نہیں بلکہ قطورہ کیطرف کی۔ علاوہ اس کے ہاجر کی اولاد پاران میں بسی اور قطورہ کی اولاد فلسطین کے پورب جیسا توریت میں بیان ہوا ہے باوجود ان سب تباین اور تغایر کے دونوں کو ایک کہنا بناوٹ ہے علاوہ اس کے ابراہیم نے ہاجرہ کو طلاق دی تھی اور ائمہ کو زن مطلقہ سے نکاح جائز نہیں چنانچہ موسیٰ کی شریعت میں یہ حکم منصوص ہے تو اگر یہی شریعت ابراہیم کے وقت میں بھی تھی جیسا کہ یہود دعوے کرتے ہیں تو یہ کہنا کہ قطورہ ہاجرہ ایک ہیں بالکل خلاف ہے اور اگر ابراہیم کے وقت میں یہ شریعت نہیں رہی ہو تو خلاف دستور انبیاء کے ہے کسی نبی کا سوائے پیغمبر آخر الزماں کے زن مطلقہ سے نکاح کرنا ثابت نہیں۔

اب ہم رجوع کرتے ہیں پلغشم کے لفظ اور اس آیت کے معنی کی طرف اگر تسلیم کیا جائے کہ یہ لفظ جمع ہے جیسا اب جو نسخے موجودہ مطبوعہ لندن واسٹرڈام وغیرہ دیکھے گئے ان میں پلغشم لے اور ریم کے ساتھ لکھا ہوا خلاف بیان مفسرین کے پایا جاتا ہے تو بھی مدعا مستدل کا ثابت نہ ہوگا کیونکہ جائز ہے کہ یہ جمع پلیغشی اسم منسوب کی ہو۔ جیسا کہ اسم منسوب کی جمع اس وزن پر متعارف ہے۔ امثلہ ذیل سے واضح ہوگا وغیرہ بہت لفظ ہیں پلغشی کے معنی سریہ زادہیں۔ جیسے اس ملک کے اندر

پرستار زادہ کہتے ہیں۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ ابراہیم نے سر بہ زا لڑکوں کو کچھ دے کر وہاں سے رخصت کر دیا اور ان کو فلسطین کے یورپ میں بسنے کی اجازت دی۔ لیکن اس میں اسمٰعیل نہ تھے بلکہ اسی باب کی نویں آیت میں لکھا ہے کہ دفن کیا ابراہیم کو اسمٰعیل اور اسحٰق ان کے لڑکوں نے۔ توریت اور اس کی تفسیر دیکھنے والوں پر بخوبی واضح ہو جاوے گا کہ ہاجرہ کا لونڈی ہونا کتب مقدسہ سے ثابت نہیں۔

مَرَاسِمُ العَرَبِ

ایام جاہلیت کے عرب بلکہ بالعموم سب عرب بغیر کسی استثنا کے (کیونکہ زمانۂ حال کے بدو عرب بھی اپنے مورثوں سے بہت کم اختلاف رکھتے ہیں) ایک نہایت سادہ مزاج قوم تھی ان کی معاشرت کا سادہ اور بے تکلف طریقہ قوانین قدرت کے قریب قریب تھا یا اس سے بالکل مطابقت رکھتا تھا۔

وجود انسانی کا سلسلہ ابتدائی اور ادنیٰ درجے کی حالت سے رفتہ رفتہ ترقی حاصل کرتا گیا اور آخر کار گلہ بانی کے رتبے پر پہنچ گیا جو بمقابلہ اس کی پہلی حالت کے نہایت عمدہ اور افضل تھا۔ اس حالت کے تبدیل ہونے سے انسانوں کو آپس میں امن اور صلح سے رہنے اور اپنی معدود اور سادہ احتیاجوں کے رفع کرنے کو بہت سا سرمایہ مل گیا۔ بھیڑوں کی اُون سے ایک قسم کا موٹا ٹاٹ بنانا سیکھ لیا جس کو بذریعہ میخوں کے زمین پر خیمے کی طرح کھڑا کر کے اس کے اندر رہا کرتے تھے اور جب ان کو اپنے گلے کو کسی دوسری عمدہ چراگاہ پر لے جانے کی ضرورت ہوتی تھی تو اپنے ڈیروں کو اس جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جا کھڑا کرتے تھے اور وہیں رہنے لگتے تھے۔ ان کی پوشاک صرف ایک لمبی بن سی ہوئی چادر ہوتی تھی جس کو بطور تہمت کے اپنی کمر سے لپیٹے رہتے تھے ان کا کھانا نیم برشت گوشت اونٹ کا دودھ اور کھجوریں ہوتا تھا ان کی تمام ملکیت اور جائداد مویشی گھوڑے اور وہ عرب کا بیش بہا جانور یعنے اونٹ اور لونڈی اور غلام ہوتی تھی اور تمام ملکیت میں لونڈی اور غلام سب سے گراں بہا خیال کئے جاتے تھے۔

بدو عرب کی معاشرت جس کو خانہ بدوش عرب کا نمود خیال کرنا چاہئے ایک چرواہے کے طریقہ معاشرت سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ خیمے میں رہا کرتا تھا پانی اور چراگاہ کی جستجو میں پھرا کرتا تھا۔ مگر بعض جو زیادہ تمدن پسند تھے۔ باہم مجتمع ہو کر اپنے خیموں کی باقاعدہ ترتیب اور انتظام سے دیہات بنا لیتے تھے

اور اگر ان کی تعداد اور بھی بڑھ جاتی تھی تو قصبے اور شہر پیدا ہو جاتے تھے۔ اور وہاں کے باشندے کسی قدر مہذب زندگانی کے فوائد سے جلد متمتع ہو جاتے تھے ان کا وقت کاشتکاری میں کھجوروں اور درختوں کے بونے میں جن کے پھلوں سے اوقات بسری ہوا اور مختلف انواع کی دستکاری اور ہر قسم کی تجارت اور سوداگری میں صرف ہوتا تھا وہ ان اشیاء کی سوداگری کیا کرتے تھے۔ گرم مصالحہ، بلسان۔ مر۔ لوبان دارچینی۔ سنا۔ لیڈن۔ سونا۔ جواہرات۔ موتی۔ ہاتھی دانت آبنوس۔ لونڈی اور غلام۔

بہت پرانے زمانے سے یہ لوگ مصر اور شام اور قرب وجوار کے ملکوں سے بذریعہ کاروان کے تجارت کرتے تھے۔ توریت سے بھی پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے وقت میں بھی یہی پیشہ رکھتے تھے۔ مگر ان دنوں قوموں یعنی خانہ بدوش اور تجارت پیشہ کا قومی چال چلن ایک ہی ساتھ کھانے پینے میں کم خرچ اور کفایت شعار ہونا اور اس پر راضی اور قانع رہنا ایک عمدہ اور بیش بہا وصف خیال کیا جاتا تھا۔ بابلی ایک نامی شاعر اپنے بھائی کے ایک مرثیہ میں جس میں اس نے اس کی موت کا حال لکھا تھا اس طرح پر اپنے بھائی کی تعریف کرتا ہے۔

تکفیہ فلذۃ لحم ان لم بھا
من المشواء ویکفی شربہ الغمر

معتدل نیند کی بھی بہت تعریف کی جاتی تھی، ہذلی ایک نامی شاعر اس عادت کی یوں تعریف کرتا ہے۔

قلیل عزار النوم اکبر ھمہ

دم الناس اویلفی کمیا مسفعا

علی الصباح اٹھنا بھی ایک عمدہ صفت شمار ہوتی تھی اور اس آدمی کی قوت اور مستعدی پر دلالت سمجھی جاتی تھی۔ امرء القیس خود اپنی تعریف اس طرح کرتا ہے۔

وقد اغتدی والطیر فی وکناتھا

نہایت فیاضی سے مہمان نوازی ان کا قومی خاصہ تھا اور اسکو جملہ حسنات اور اوصاف میں اعلیٰ اور افضل سمجھتے تھے مسافروں اور مہمانوں کی خاطر داری بے انتہا فیاضی سے کرنا اور مہربانی اور اخلاق اور تعظیم کے ساتھ پیش آنا ایک پاک فرض خیال کیا جاتا تھا اور اگر کوئی اسکو ترک کر دیتا یا غفلت کرتا تو تمام لوگ اس کو دل سے بُرا جانتے تھے۔ اور اس کی حقارت کرتے تھے۔ ہذلی شاعر خود اپنے پر اس شعر میں بد دعا کرتا ہے اگر وہ مہمان نوازی کے طریقہ میں کچھ قصور کرے۔

لا در درری ان اطعمت نازلکم

قرف الحتی وعندی البر مکنوز

ہمسائے کے حال پر مہربانی اور اسکی خبر گیری کرنا اور اسکے مکان اور خاندان اور مال کی نگرانی اور حفاظت کرنا نیک آدمیوں کے اوصاف

میں سے تھا اور اگر کوئی اس باب میں ذرا بھی بے پرواہی یا سستی کرتا تھا تو اس کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے اور اس کا کوئی معیوب لقب رکھ دیتے تھے۔ بکری شاعر طعمہ کی اس طرح پر ہجو کرتا ہے۔

تبیتون فی المشتاملاء بطونکم
وجارکم غرثی تبین خماصا

اور ایک اور شاعر زبیدی اس صفت میں ایک شخص کی اس طرح پر تعریف کرتا ہے۔

وجارھم احمی اذا ضیم غیرھم

قیدیوں کو چھڑانا اور محتاجوں اور بیکسوں کی مدد کرنا تمام نیکیوں میں افضل اور جمیع اوصاف میں سب سے زیادہ قابل تامل خیال کیا جاتا تھا ایک شاعر اپنی تعریف اس طرح پر کرتا ہے۔

وفککنا غل امرء القیس منہ
بعد ما طال حبسہ والعناء

ایک اور شاعر طرفہ اس صفت کا بیان اسطرح پر کرتا ہے۔

ولکن متی یسترفد القوم ارفد

ہذلی شاعر ایک صفت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

واحمی المصاب اذا مادعی

ایک شریف عرب کو اپنی عزت کا لحاظ اور اپنے وعدہ کا خیال ایسا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا اوصاف ضروری سمجھے

جاتے تھے۔ عمرو ایک مشہور شاعر اس طرح پر کہتا تھا۔

ونوجد نحن امنعهم ذمارا
واوفاهم اذا عقدوا يمينا

صاف اور ستھری پوشاک اور خوشبودار چیزیں عمدہ اور پسندیدہ اشیاء میں سمجھی جاتی تھیں۔ عدوانی کی بیٹی اپنے شوہر کی تعریف میں اس طرح پر کہتی ہے۔

حديث الشباب طيب الثوب والعطر

بالوں کو مشک سے معطر کرنا اور خوشبودار چمڑے کی جوتیاں پہننی عمارت کی نشانیاں تھیں ایک شاعر اپنی ممدوحہ کی اس طرح پر مدح کرتا ہے۔

اذا التاجر الدارى جاء بضارة
من المسك اراحت فى مفارقة تجرى

پرہیزگاری بھی اوصاف حسنہ میں شمار کی جاتی تھی۔ حاتم طائی اس طرح پر کہتا ہے۔

واغفر عوراء الكريم ادخاره
واعرض عن شتم اللئيم تكرما

فصاحت و بلاغت لطافت ظرافت بھی فضیلت کے دائرہ کی تکمیل کے لئے ضروری تھیں۔ عمرو شاعر اپنے بیٹے غزار کی تعریف میں کہتا ہے۔

وان غزارا ان يكن غير واضح
فانى احب الجون ذا المنطق الدسم

نابغہ شاعر کند زبان ہونے سے اسطرح خدا سے پناہ مانگتا ہے۔

اعذنی رب من حصروعی

گھوڑے کی سواری کی اگر بچپن ہی سے مشق کی جاتی تھی تو نہایت تعریف اور توصیف ہوتی تھی اور اگر کوئی بڑا ہو کر گھوڑے کی سواری سیکھتا تھا تو ہجو اور طعنے کا نشانہ بنتا تھا۔ ایک شاعر نے ایک قوم کی ہجو اس طرح پر کی ہے۔

ہم یرکبون الا بعد ما کبروا
فیہم ثقال علی اکنافہم میل

بھیڑیے کا شکار کرنا بہادر ہونے کا عمدہ ترین ثبوت تھا۔ شارح شاعر اس طرح پر کہتا ہے،

وما قتلا وفعت الذئب عنہ

ریگستان کے طول و عرض کا اندازہ اس کی ریت کی ایک مٹھی بھر کر سونگھنے سے دریافت کرتے تھے۔ امراء القیس شاعر اسطرح پر بیان کرتا ہے،

اذا الناقۃ الغرذالدبانی عرعرا

زمانہ جاہلیت کے عرب میں شعر و شاعری نہایت اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی تھی۔

جہاں یہ خوبیاں ان میں تھیں اسی کے ساتھ نہایت بداخلاقی اور فحش عرب جاہلیت میں پھیلا ہوا تھا۔ قصائد کے شروع میں جو تشبیب کے اشعار ہوتے تھے ان میں دولت مند اور امیروں کی لڑکیوں اور عورتوں

اور بہنوں کا نام لے کر بیان کرتے تھے اور ہر طرح کے عیبوں کو علانیہ ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے اختیار میں ایک جن رہتا ہے اور جس قدر بڑا شاعر ہوتا ہے اسی قدر زبردست جن اس کے زیر حکم رہتا ہے۔ حسن نامی شاعر اپنے تغلی میں اسطرح کہتا ہے۔

وما نفرت جنی وما فل میردی

بدکاری اور زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور ہر طرح کی غیر مہذب نظم میں ازراہ بے شرمی اسکو مشتہر کرتے تھے اور اسپر فخر کرتے تھے۔

سب لوگ شراب اور نہایت قوی منشی عرقوں کے پینے سے بدرجہ غایت انس رکھتے تھے اور مدہوشی کی حالت میں تمام لوگوں سے نہایت خراب اور معیوب باتیں سرزد ہوتی تھیں۔

قمار بازی سب لوگوں کا بلا استثناء ایک ہر دلعزیز کھیل تھا اور اگر کوئی خاص مقام قمار بازی کا مشہور ہوتا تھا تو لوگ دور دراز مسافت سے وہاں جوا کھیلنے کو جایا کرتے تھے۔ سود خواری بھی عام طور سے نہایت درجہ مروج تھی۔

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں گانا بجانا اور ناچ سکھلایا جاتا تھا اور وہ حرام کاری کرنے کی مجاز تھیں۔ اور اس حرام کاری کی آمدنی ان کے آقا اپنے تصرف میں لاتے تھے۔

رہزنی اور غارت گری اور قتل روزمرہ کی باتیں تھیں ان نوں کا خون بلا خوف اور بغیر تاسف کے ہر روز ہوا کرتا تھا۔ لڑائی میں جو

عورتیں قید ہوتی تھیں ان کو فتح منڈ لونڈیاں بنا لیتے تھے۔ حارث شاعر اس طرح پر کہتا ہے۔

ثم ملنا علی تمیم فاحرمنا

وفینا بنات مرۃ ماء

ٹوٹکوں میں اور شگون لینے میں ان کو نہایت مضبوط اعتقاد تھا جب کوئی مصیبت یا تباہی ان پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے اور ان کو پھینکتے تھے اور ایسا کرنے سے اس مصیبت کے دور ہونے کی توقع رکھتے تھے۔ جانوروں کے اڑنے اور بولنے سے بھی نیک اور بد شگون لیا کرتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی جانور کسی شخص کی بائیں طرف سے دائیں طرف رستہ کاٹ گیا تو اس کو نیک شگون سمجھتے تھے اور "سانح" کہتے تھے لیکن اگر دائیں جانب سے بائیں طرف رستہ کاٹ گیا تو اس کو بد شگونی سمجھتے تھے اور "جارح" کہتے تھے۔ اس قسم کی تفاؤل کا عام نام "طیرہ" تھا۔

لبید ابن ربیعہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس موقع پر جبکہ اس کا بھائی بجلی کے صدمہ سے مارا گیا یہ شعر کہا تھا۔

لعمرک وما تدری الضوارب بالحصے

ولا زاجرات الطیر ما اللہ صانع

جاہلیت کے عرب کسی کام کے ہو جانے پر بھیڑ کی قربانی کرنیکی منت مانتے تھے اور جب وہ کام ہو جاتا تھا تو بھیڑ کے بدلے ہرن کو مار دیتے تھے

اوراس ہرن کو عتیرہ کہتے تھے مگر بھیڑ کے بدلے ہرن کو مار دینا ایک معیوب کام خیال کیا جاتا تھا۔ کعب شاعر اپنے خاندان کی تعریف میں کہتا ہے۔

وما عتر الظباء بنی کعب

اگر کوئی کسی کو مار ڈالتا تھا تو خون کے عوض خون ہی معزز بدلہ گنا جاتا تھا۔ جو لوگ خون کے بدلے دیت لیتے تھے ان کو ان کے ہم جنس اور ہم وطن حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ عمرو ابن سعد یکرب کی بہن اپنے بھائی کے خون کا کسی شرط پر تصفیہ کرنے سے منع کرتی ہے۔

ولا تاخذوا منهم اقالا دبکرا

ان کا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض خون سے نہ لیا جاوے تو ایک چھوٹا پردار کیڑا مقتول کے سر میں سے نکل کر آسمان میں چیختا پھرتا ہے۔ اس عجیب کیڑے کو "ہامہ" اور "صدی" کہتے تھے۔ لبید شاعر ایک نوحہ میں اس طرح کہتا ہے۔

فلیس الناس بعدك فی نضیر

وما هم غیر اصداء وهام

ہر شخص کے مرنے کے بعد یہ دستور تھا کہ اس کے اونٹ کو اس کی قبر سے باندھ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ بھوک اور پیاس کے مارے وہ مر جاتا تھا اور اس اونٹ کو بلیا کہتے تھے۔ لبید شاعر اپنے ممدوح کی سخاوت کی اس طرح تعریف کرتا ہے۔ تاوی الی الاطناب کل ذریحۃ

مثل البلیلۃ قانص اهدا ها

جب کوئی مرجاتا تھا تو برس روز تک اس کا سوگ رکھتے تھے اور رویا کرتے تھے۔ لبید شاعر اپنے وارثوں کو یوں وصیت کرتا ہے۔

الی الحول ثم اسم السلام علیکما
ومن یبک حولاً کاملاً فقد اعتذر

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ہمراہ ہوتی تھیں اور ہر طرح ان کی مدد کرتی تھیں جبکہ ان کے شوہر لڑائی میں مصروف ہوتے تھے تو وہ پکار پکار کر کہتی تھیں آگے بڑھو آگے بڑھو ہمارے جری اور بہادر خاوندوں اگر تم کوتاہی کروگے تو ہم کو دشمن سے نہ بچاؤ گے تو ہم تمہاری بیویاں نہ ہونگی۔

قحط اور گرانی کے زمانے میں اپنے اونٹوں کو مجروح کرکے ان کا خون پیا کرتے تھے۔ خشک سالی میں مینہ برسنے کا ٹوٹکا اس طرح پر کرتے تھے کہ پہاڑوں میں ایک گائے کو لے جاتے تھے اور اس کی دم میں سوکھی ہوئی گھاس اور کانٹے اور جھاڑیاں باندھ کر اس میں آگ لگا دیتے تھے اور گائے کو پہاڑوں میں چھوڑ دیتے تھے۔

گھوڑ دوڑ اور اس پر بازی لگا دینا جس کو وہ "رہان" کہتے تھے ان میں وہ مروج تھی دو قوموں اور فریقوں کے باہم جنگ و جدل ایک تھوڑی سی غلط فہمی کی وجہ سے قائم ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات یہ لڑائیاں ایک مدت مدید تک جاری رہتی تھیں جیسے کہ عبس اور ذبیان کے باہم پورے سو برس تک لڑائی جاری رہی۔

باوجودیکہ کوئی شخص اپنے غلاموں کو آزاد کر دیتا تھا تو بھی اسکی

ملکیت کا استحقاق اس کو باقی رہتا تھا اور اس استحقاق کو فروخت کر دینے کا بھی مجاز تھا اور مشتری ان غلاموں پر اپنی ملکیت قائم کرتا تھا اور اس طرح سے یہ بدبخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے۔

عورتیں کسی جانور کا دودھ نہیں دوہتی تھیں اور اگر کسی خاندان کی عورتوں کو دودھ دوہتے دیکھ پاتے تھے تو اس خاندان کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے اور وہ خاندان لوگوں کی آنکھوں میں دفعتاً حقیر ہو جاتا تھا۔

مجرم کو فوجداری کی سزا میں جلتی ہوئی ریت پر بٹھا دیتے تھے۔

مردہ جانوروں کا گوشت کھاتے تھے اور اُس کو بہت لذیذ غذا سمجھتے تھے جو اونٹنی یا بھیڑ یا بکری دس دفعہ بچہ جن لیتی تھی اُس کو چھوڑ دیتے تھے اور وہ چھوٹی پھرا کرتی تھی اور جب وہ مر جاتی تھی تو اُس کا گوشت مرد کھاتے تھے اور عورتوں کو اس کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی۔ اگر اونٹنی یا بھیڑ یا بکری پانچویں دفعہ مادہ بچہ جنتی تھی تو اُس کے کان کاٹ کر اُس کو چھوڑ دیتے تھے اور اُس کو "بحیرہ" کہتے تھے اور اُس کا گوشت کھانا اور دودھ پینا منع تھا۔

کسی کام کے ہو جانے پر اونٹوں کو بطور ساٹنگ کے چھوڑ دینے کی منت مانتے تھے اور جب وہ کام ہو جاتا تھا تو اونٹ کو بطور ساٹنگ کے چھوڑ دیتے تھے اور وہ جہاں چاہتا تھا پھرا کرتا تھا۔

اگر کوئی اونٹنی دس بچے دے چکتی تھی اور یکے بعد دیگرے سات بچے تو عورتوں کو اُس کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی اور صرف مرد ہی کھا

کا گوشت کھا سکتے تھے ؛

اگر کسی بکری کے مادہ بچہ ہوتا تھا تو مالک اُس کو اپنے لئے رہنے دیتا تھا اور اگر نر پیدا ہوتا تھا تو بتوں پر بطور نظر کے چڑھایا جاتا تھا اور اگر دو بچے ایک نر اور ایک مادہ پیدا ہوتے تھے تو مالک دونو کو اپنے لئے رکھتا تھا اور وہ "وصیلہ" کہلاتی تھی ؛

جو اونٹ کہ دس بچوں کا باپ ہو چکتا تھا وہ چھوڑ دیا جاتا تھا اور جہاں وہ چاہتا تھا پھرا کرتا تھا اور بنام "حامی" موسوم ہوتا تھا ؛

قسم لینے کا نہایت سنجیدہ قاعدہ یہ تھا کہ آگ جلا کر اُس میں نمک اور گندھک پیس کر ڈالتے تھے یہ آگ "ہولہ" کہلاتی تھی اور اُس کا جلانے والا "مہول" کہلاتا تھا۔ عوص شاعر اس طرح پر کہتا ہے ؛

اذا استقبلتہ اشمس صد بوجھہ کما صد عن نار المحول محالف

قسم کے مستحکم کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ تھا کہ میزاب خانہ کعبہ کے نیچے چاپک کمان اور جوتی رکھ دیتے تھے اور اس طرح کرنے سے قسم پختہ ہو جاتی تھی ؛

اقرار اور دعاے کے مستحکم کرنے کو اپنے بزرگوں کی اوتوں کی قسم کھایا کرتے تھے ؛

بالغ مرد اپنے والدین کی وراثت پانے کے مستحق ہوتے تھے نابالغ لڑکے اور عورتیں حصہ نہیں پاتی تھیں ؛

قرضے پر سود لیتے تھے۔ ایک قاعدہ یہ تھا کہ اگر قرضہ وقت معینہ پر

ادا نہ ہوتا تھا تو اُس کی تعداد کو دوچند کر دیتے تھے اور معیادِ ادا کو بڑھا دیتے تھے ؛

عرب جاہلیت انتقام لینا واجب سمجھتے تھے لیکن مختلف قوموں میں باہم حقوق کی برابری کو نہیں مانتے تھے ؛

اگر کسی شخص کے قاتل کا سُراغ نہ لگتا تھا تو جس قوم کے شخص پر قتل کا شُبہ ہوتا تھا پچاس معزز شخص فرداً فرداً اپنی بے گناہی کی قسم کھاتے تھے ؛

ہر شخص گو وہ اجنبی ہی ہو دوسرے شخص کے گھر میں درانہ چلے آنے کا مجاز تھا اور اندر آنے سے پہلے اندر آنیکی اجازت طلب نہیں کرتے تھے ؛

کسی رشتہ دار کے گھر کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا ؛

دس آدمی بہ شراکت ایک جانور کو خریدتے تھے اور ہر ایک شخص کے حصّے کو متعین کرنے کیواسطے دس پانسے (جسمیں ایک سادہ ہوتا تھا اور باقی نو پر حصوں کے اندازہ کا نشان بنا ہوتا تھا) پھینکے جاتے تھے اور جو پانسا جسکے نام پڑتا تھا وہی اُس کا حصہ ہوتا تھا ؛

خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی۔ بعضوں پر کام کرنے کے حکم دینے کی اور بعضوں پر اُس کام کرنے سے منع کرنے کی علامت تھی ہر شخص پیشتر اس کے کہ کوئی کام شروع کرے اُن تیروں سے استخارہ کرتے تھے اور اُسی کے بموجب کام کرتا تھا ان تیروں کو "ازلام" کہتے تھے ؛

تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا اور جن بتوں کی وہ پرستش کیا کرتے تھے ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ھبل۔ ایک بہت بڑا بت تھا جو کعبہ کے اوپر رکھا ہوا تھا۔

(۲) ود۔ قبیلہ بنی کلب کا یہ بت تھا اور وہ قبیلہ اس کی پرستش کرتا تھا۔

(۳) سواع۔ قبیلہ بنی مذحج کا یہ بت تھا اور وہ اسکی پرستش کرتے تھے۔

(۴) یغوث۔ قبیلہ بنی مراد کا یہ بت تھا اور وہ اسکی عبادت کرتے تھے۔

(۵) یعوق۔ بنی ہمدان کے قبیلہ کا یہ بت تھا اور وہ اس کو معبود سمجھتے تھے اور عبادت کرتے تھے۔

(۶) نسر۔ بنی ہمدان کے قبیلے کا یہ بت تھا اور یمن کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے۔

(۷) عزیٰ۔ قبیلہ بنی غطفان کا یہ بت تھا اور اسکی پرستش وہ قبیلہ کیا کرتا تھا۔

(۸) لات (۹) منات۔ یہ بت کسی خاص قبیلے سے علاقہ نہیں رکھتے تھے بلکہ عرب کی تمام قومیں ان کی پرستش کیا کرتی تھیں۔

(۱۰) دوار۔ یہ بت نوجوان عورتوں کی پرستش کرنے کا تھا وہ چند دفعہ اس کے گرد طواف کرتی تھیں اور پھر اس کو پوجتی تھیں۔

(۱۱) اساف۔ جو کوہ صفا پر تھا اور (۲) نائلہ۔ جو کوہ مروہ پر تھا ان دونوں بتوں پر ہر قسم کی قربانی ہوتی تھی۔ اور سفر کو جانے اور سفر سے واپس آنے کے وقت ان کو بوسہ دیا کرتے تھے۔

(۱۳) عبعب۔ ایک بڑا پتھر تھا جس پر اونٹوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور ذبیحہ کے خون کا اس پر بہنا نہایت ناموری کی بات خیال کی جاتی تھی۔

کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم کی مورت بنی ہوئی تھی اور ان کے ہاتھ میں وہ ہی استخارہ کے تیر تھے جو "ازلام" کہلاتے تھے اور ایک بھیڑ کا بچہ ان کے قریب کھڑا تھا اور حضرت ابراہیم کی مورت خانہ کعبہ میں رکھی ہوئی تھی اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی تصویریں خانہ کعبہ کی دیواروں پر کھنچی ہوئی تھیں۔

حضرت مریم کی بھی ایک مورت تھی اس طرح پر کہ حضرت عیسیٰ انکی گود میں ہیں یا ان کی تصویر اسی طرح خانہ کعبہ کی دیواروں پر کھنچی ہوئی تھی۔

عرب کی دیسی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "ود" اور "یغوث" اور "یعوق" اور "نسر" مشہور لوگوں کے جو ایام جاہلیت میں گزرے ہیں نام ہیں۔ ان کی تصویریں پتھروں پر منقش کر کے بطور یادگار کے خانہ کعبہ کے اندر رکھ دی تھیں۔ ایک مدت مدید کے بعد ان کو رتبہ معبودیت دے کر پرستش کرنے لگے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عرب کے نیم وحشی باشندے

ان مورتوں پر خدا ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور نہ ان لوگوں کو جن کی یہ مورتیں تھیں معبود سمجھتے تھے، بلکہ ان کو مقدس سمجھنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے عرب جاہلیت ان مورتوں کو ان شخصوں اور ان کی ارواحوں کی یادگار سمجھتے تھے اور ان کی تعظیم و تکریم اس سبب سے نہیں کرتے تھے کہ ان مورتوں میں کوئی شائم الوہیت موجود ہے بلکہ محض اس وجہ سے ان کی عزت اور تعظیم کرتے تھے کہ وہ ان مشہور اور نامور اشخاص کی یادگار ہے جن میں بموجب ان کے اعتقاد کے جملہ صفات الوہیت یا کسی قسم کی شان الوہیت موجود ہے ان کے نزدیک ان مورتوں کی پرستش سے ان لوگوں کی ارواحیں خوش ہوتی تھیں جن کی وہ یادگاریں تھیں۔

ان کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا تعالیٰ کی جملہ قدرتیں بیماروں کو شفا بخشنا بیٹا بیٹی عطا کرنا قحط دوبا اور دیگر آفات ارضی و سماوی کا دور کرنا ان کے مشہور و معروف لوگوں کے اختیار میں بھی تھا جن کی طرف انہوں نے صفات الوہیت منسوب کی تھیں اور وہ خیال کرتے تھے کہ اگر مورتوں کی تعظیم اور پرستش کی جاوے گی تو ان کی دعائیں اور منتیں قبول ہوں گی۔

ان کا یہ بھی مستحکم عقیدہ تھا کہ یہ اشخاص خدائے تعالیٰ کے محبوب تھے اور اپنی مورتوں کی پرستش سے خوش ہو کر پرستش کرنے والوں کو

خدائے تعالےٰ کے قرب حاصل کرانے کا ذریعہ ہوں گے اور ان کو تمام روحانی خوشی عطا کریں گے اور ان کی مغفرت کی شفاعت کریں گے۔

ان کا قاعدہ بتوں کی پرستش کا یہ تھا کہ بتوں کو سجدہ کرتے تھے ان کے گرد طواف کرتے تھے اور نہایت ادب اور تعظیم سے بوسے دیتے تھے۔ اونٹوں کی قربانی ان پر کرتے تھے۔ مویشیوں کا پہلا بچہ بتوں پر بطور نذر کے چڑھایا جاتا تھا اپنے کھیتوں کی سالانہ پیداوار اور مویشی کے انتفاع میں سے ایک معین حصہ خدا کے واسطے اور دوسرا حصہ بتوں کے واسطے اٹھا رکھتے تھے اور اگر بتوں کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا تو خدا کے حصہ میں سے اس کو پورا کر دیتے اور اگر خدا کا حصہ کسی طرح ضائع ہوتا تو بتوں کے حصے میں سے اس کو پورا نہیں کرتے تھے۔

حجر اسود اور خانہ کعبہ کی تعظیم تاریخ عرب کے ابتدائی زمانے سے ہوتی چلی آئی ہے اس کی بنا کو خود حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر برخلاف ان مقدس چیزوں کے جن کا ذکر اوپر ہوا خانہ کعبہ کو کسی شخص کی یادگار نہ سمجھتے تھے بلکہ وہ تمام عمارت ہی بہ لقب بیت اللہ ممیز اور ممتاز تھی اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کے واسطے مخصوص تھی۔ درحقیقت اس کو ایسا سمجھتے تھے۔ جیسا کہ یہودی بیت المقدس کو اور عیسائی گرجا کو اور مسلمان مسجد کو۔ خدا کی عبادت کرنے کے لئے اس زمانے میں سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید میں خانہ کعبہ کو

متدد جگہ مسجد کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

حجر اسود کو بھی مثل ایک بت کے یا کسی مشہور معروف شخص کی یادگار کے نہیں سمجھتے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ یہ ایک بہشت کا پتھر ہے مگر تحقیق نہیں ہے کہ شروع زمانے سے یہ خیال تھا یا بعد کو پیدا ہوا جو بات کے محقق ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ کعبہ کی بنا ہونے سے پہلے یہ حجر اسود ایک میدان میں اکیلا پڑا ہوا تھا کوئی عرب کی روایت ایسی نہیں ملی جس سے یہ بات تحقیق ہو کہ یہ پتھر اس میدان میں کیوں پڑا ہوا تھا اور جس زمانے میں کہ وہ وہاں پڑا ہوا تھا اس کے ساتھ کیا رسمیں تعلق تھیں مگر یہودیوں کی تاریخ سے ہم کسی قدر صحت کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں کہ اگر حجر اسود کے ساتھ کچھ رسمیں ادا ہوتی ہوں گی تو وہ انہیں کے مشابہ ہوں گی جن کا برتاؤ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب اس قسم کے پتھروں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ دیکھو کتاب پیدائش باب ۱۲ درس ۷ و ۸ و باب ۱۳ درس ۱۸ و باب ۲۶ درس ۲۵ و باب ۲۸ درس ۱۸ و کتاب خروج باب ۲۰ درس ۲۵۔

خانہ کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے خانہ کعبہ کے ایک کونے میں نصب ہونے کے بعد بھی کسی رسم کا اس کے ساتھ بالتحقیق ہونا پایا نہیں جاتا۔ جو رسم کہ اب تسلیم کی جاتی ہے اور جو حجر اسود کے ساتھ مخصوص خیال ہوتی ہے وہ بوسہ دینا ہے مگر یہ رسم بھی کچھ اس کے واسطے مخصوص نہ تھی۔

خانہ کعبہ کے اور حصہ بھی اسی طرح چومے جاتے تھے۔ خانہ کعبہ کا حال یہ تھا کہ سب لوگ اس کے اندر بیٹھا کرتے تھے اور خدائے تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور اس کے گرد طواف بھی کرتے تھے۔ لیکن عجیب ترین رسم یہ تھی کہ یہ عبادت اور پرستش مطلق برہنگی کی حالت میں ہوتی تھی۔ عرب جاہلیت اس بات کو بُرا سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کپڑے پہن کر کریں جو ہر قسم کے گناہوں ملوث ہوتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی ہمسری کے واسطے دو معبد اور یکے بعد دیگرے بنائے گئے تھے ایک تو قبیلہ غطفان نے اور دوسرا یمن میں قبائل خثام اور بجیلہ نے بہ اشتراک بنایا تھا اور دونوں معبدوں میں بت رکھے ہوئے تھے جن کو ان قبیلوں کے لوگ بطور معبود کے پوجتے تھے ان نقلی کعبوں میں سے اول کو تو زبیر بادشاہ حجاز نے چھٹی صدی عیسوی میں بالکل غارت کر دیا تھا اور دوسرے کو جریر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یعنی ان کے پیدا ہونے کے بعد منہدم کر دیا تھا۔

حج کی رسم کو عرب کے باشندے زمانہ دراز سے مانتے چلے آتے تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے زمانہ تک اس کا پتہ چلتا ہے۔

وقت ادائے حج کے احرام باندھنے کی رسم بھی ان میں شائع تھی اور اگر کوئی شخص احرام باندھے ہوئے اپنے گھر میں آنا چاہتا تھا۔ تو

دروازہ کی راہ سے نہیں آتا تھا بلکہ پچھواڑے کی دیوار پھلانگ کر اندر آتا تھا۔

صفا اور مروہ کے پہاڑوں کے درمیان دوڑنے کی رسم بھی زمانہ جاہلیت سے عرب میں رائج تھی جیسے کہ اب بھی مروج ہے۔

جو لوگ حج کرنے کو آتے تھے اس مقدس میدان میں جمع ہوتے تھے جو عرفات کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن قوم قریش جملہ اقوام عرب میں ذی اختیار تھی اس لئے قریش معہ اپنے دوستوں کے مقام مزدلفہ پر جو گرد و نواح کی زمین کی نسبت زیادہ بلند اور مرتفع ہے ٹھہرتے تھے اور باقی گروہ عرفات میں مقیم ہوتے تھے جہاں کہ حج کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

حج کی رسم ختم ہونے کے بعد یہ مجمع ایک مقام کو جو منا کہلاتا ہے چلا جاتا تھا۔ اور وہاں اپنے بزرگوں کے نام آور بہادرانہ کاموں کا فخر کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے اور ان بہادری کے حالات کو اشعار میں پڑھتے اور کبھی جلا دیتے تھے۔

سال کے چار مہینے متبرک سمجھے جاتے تھے اور حج کی رسم جیسا کہ بالفعل دستور ہے انہیں مہینوں میں سے ایک مہینہ یعنی ذی الحجہ میں ادا کی جاتی تھی مگر ان مہینوں کی حرمت بعض اوقات مبدل اور ملتوی ہو جاتی تھی۔ کس واسطے کہ اگر کوئی لڑائی ان مہینوں میں سے کسی میں واقع ہوتی تھی تو لوگ ان کی قدرتی ترتیب کو بدل دیتے

سے گناہ سے بری الذمہ ہو جاتے تھے یعنی موجودہ مہینے کو غیر حرام فرض کر لیتے تھے اور ماہ آئندہ کو حرام کا مہینہ سمجھ لیتے تھے۔

عرب جاہلیت ایک میعاد معین تک لڑائی کے موقوف رکھنے کا عہد کر لیتے تھے اور اس رسم کو حج کا پایہ سمجھتے تھے۔

باشندگان عرب کی ایک تعداد کثیر بت پرست تھی مگر وہاں ایک فرقہ موسوم بہ "صابی" بھی تھا جو ثوابت اور سیاروں کی پرستش کرتا تھا۔ انہوں نے بے شمار ہیاکل یعنے ستاروں کی پرستش کے معبد تمام ملک میں تعمیر کئے تھے اور اُن کو اُن مقدس ستاروں کی پرستش کے واسطے مخصوص کیا تھا۔ اس وجہ سے عرب کے لوگ علی العموم یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ابراہیم فلکی انسان کی قسمت پر فرداً فرداً اور نیز بہ ہئیت مجموعی نیک یا بد اثر رکھتے ہیں اور باقی مخلوقات پر بھی موثر ہیں اور بالخصوص ان کا یہ اعتقاد تھا کہ مینہ کا برسنا یا امساک باراں کا ہونا انہیں ابراہیم فلکی کی نیک یا بد تاثیر پر بالکل منحصر ہے۔ اس کے علاوہ اور مذاہب بھی عرب میں شائع تھے لیکن ہم اس جگہ ان کی بحث نہیں کرنے کے کیونکہ یہ مضمون ہمارے اس خطبے سے جو اس کے بعد آوے گا علاقہ رکھتا ہے۔

عورتیں حقیقت میں نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں مردوں کو بالکل اختیار تھا کہ جتنی چاہیں اتنی عورتیں کریں۔ اگرچہ اس بات کے تعین کرنے کے لئے کوئی قانون منضبط نہ تھا کہ مرد کو کون سی قرابت

عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے اور کون سے ناجائز مگر بااین ہمہ یہ رسم شائع تھی کہ اس عورت سے جو قریب تر رشتہ رکھتی ہو ازدواج نہیں کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ایسی عورت کی اولاد عموماً ضعیف اور کمزور ہوتی ہے۔

ازدواج کی رسم ادا کرتے تھے اور مہر بھی باندھتے تھے۔ طلاق بھی دیتے تھے، ہر شخص اپنی زوجہ کو جس طرح ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد پھر اپنی زوجیت میں لے سکتا تھا اسی طرح ہزار بار طلاق دینے کے بعد بھی پھر اپنی زوجیت میں لے لیتا تھا کیوں کہ تعداد طلاق کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔

طلاق کے بعد ایک میعاد مقرر تھی جس کے اندر عورت کو کسی اور مرد کے ساتھ ازدواج کرنے کی ممانعت تھی اور اس میعاد کے اندر اگر فریقین میں آشتی ہو جاتی تو پھر اپنی زوجیت میں لے لیتے تھے۔ مرد اس رسم سے بہت ظالمانہ اور وحشیانہ طور سے مستفید ہوتے تھے اور اپنی جورو کو کسی بہانہ سے طلاق دے دیتے تھے۔ بیچاری عورت میعاد معینہ تک منتظر رہتی تھی اور اس میعاد میں کسی دوسرے سے ازدواج نہ کر سکتی تھی لیکن جب میعاد قریب الانقضا ہوتی تھی تو اس کا شوہر پھر اپنی زوجیت میں لے لیتا تھا اور تھوڑے عرصہ بعد پھر اس کو طلاق دے دیتا تھا اور میعاد معینہ کے اختتام کے قریب پھر اپنے ازدواج میں لے لیتا تھا اور اسی طرح بار بار کیا کرتا تھا۔ عربوں میں

ایک یہ بے رحم رسم رائج تھی کہ ہر شخص اس بات کو اپنا حق تصور خیال کرتا تھا کہ وہ عورت جو ایک مرتبہ اس کی زوجہ تھی دوسرے شخص کے ازدواج میں آئے۔

ایک اور قسم کی طلاق بھی زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں جاری تھی جو "ظہار" کہلاتی تھی۔ اور وہ اس طرح پر ہوتی تھی کہ مرد اپنی زوجہ کے ایک عضو کے چھونے سے باز رہتا تھا یہ کہہ کر کہ مجھ کو اپنی زوجہ کے جسم کے فلاں عضو کا چھونا ایسا حرام ہے جیسا کہ اپنی ماں یا کسی اور قریب رشتہ والی عورت کے جس کے ساتھ ازدواج ناجائز ہے۔ عضو کا چھونا اس کہنے سے طلاق ہو جاتی تھی۔

عرب جاہلیت کی رسموں میں سب سے زیادہ خراب رسم اور سب سے زیادہ بے رحم لڑکیوں کا مار ڈالنا یا ان کو زندہ دفن کر دینا تھا۔

تبنیت کی رسم بھی ان میں شائع تھی اور پسر متبنے اپنے والدین کی جائیداد کا حقدار اور وارث خیال کیا جاتا تھا۔

لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کرنے کے مجاز تھے مگر باپ اپنے بیٹے یا متبنے کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا اور اس کے خلاف عمل کرنا نہایت معیوب اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔

شوہر کے مرنے کے بعد اس کا سوتیلا بیٹا اگر وہ نہ ہو تو قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیا کرتا تھا اور وہ شخص جو اس طرح چادر ڈالتا تھا اس سے شادی کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔

عورتیں متوفی شوہروں کا ماتم ایک سال کامل تک کیا کرتی تھیں اور میعاد معینہ کے بعد بیوہ اونٹ کی چند خشک مینگنیاں یا تو کسی کتے پر یا کندھے پر سے خود اپنے ہی پیٹھ پر پھینک دیتی تھی جس سے یہ مراد تھی کہ اب بیوہ کو اپنے متوفی شوہر کا کچھ بھی خیال نہیں رہا۔

عورتوں میں اپنے گھر سے نکلنے اور عام مجمع میں بدون پردہ اور حجاب کے آنے کا دستور تھا اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات خیال نہیں کرتی تھیں۔

عورتیں مصنوعی بال سر پر لگایا کرتی تھیں اور اپنے جسم کو نیل سے گودا کرتی تھیں۔

خاندان کے تمام اشخاص قسم ذکور تمام قسم کی عورتوں کو چھونے سے جبکہ وہ اپنے معمولی ایام میں ہوں پرہیز کرتے تھے اور ان عورتوں کو باقی اشخاص خاندان کے ساتھ ملنے چلنے کی ممانعت تھی۔

مردوں کو قبر میں دفن کرنے کا اعراب جاہلیت میں رواج تھا اور جس کسی جنازے کو دفن کرنے کے لئے لے جاتے ہوئے دیکھتے تھے تو اور آدمی مردہ کی تعظیم اور اس پر افسوس ظاہر کرنے کے لئے سرو قد اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ انسان کا خون بجز انسان کی سانس کے اور کچھ نہیں ہے اور روح محض ایک ہوا انسان کے جسم کے اندر ہے

مگر بعض لوگ جو کہ بہ نسبت ان کے زیادہ تعلیم یافتہ تھے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ روح ایک نہایت چھوٹا سا جانور ہے جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت اس کے جسم میں گھس جاتا ہے اور ہمیشہ اپنے آپ کو بڑھاتا رہتا ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد وہ جانور جسم کو چھوڑ کر قبر کے گرد چیختا پھرتا ہے، یہاں تک کہ ایک اُلو کے برابر ہو جاتا ہے۔

زمانہ جاہلیت کے عرب دیوں اور خبیث ارواحوں کو مانتے تھے تمام خیالی اور وہمی اور فرضی صورتیں جو بیابانوں یا پرانی مسمار اور منہدم عمارتوں میں ان کو نظر آتیں اور جن کی کہ تنہا آدمی کے خیال میں اکثر صورت بن جاتی ہے ان سب کو مختلف قسم کی خبیث ارواحیں تصور کرتے تھے۔

بعض لوگ ان مخالطات نظری کو مختلف بروج کی تاثیر کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کی رائے اوروں کے رائے کے مقابلے میں افضل تر معلوم ہوتی تھی۔

زمانہ جاہلیت کے عرب نیک اور بد جنات میں عقیدہ رکھتے تھے ان کی مختلف صورتیں اور شکلیں مقرر کی تھیں اور مختلف نام رکھے تھے ان کے نزدیک بعض جنات نصف جسم انسان کا سا اور نصف جسم روحانی رکھتے تھے زمانہ جاہلیت کے عرب اور قوتوں اور وجودوں میں بھی اعتقاد رکھتے تھے جو انسان کی نظر سے غائب تھے مگر آئندہ کی خبروں کو بہ آواز بلند ظاہر کر دیتے تھے اور خود ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے۔

وہ فرشتوں اور ارواحوں کو بھی جو دکھائی نہیں دیتیں مانتے تھے۔
اور مختلف شکلیں ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔

عرب کے زمانۂ جاہلیت کی رسم و رواج کو اس مقام پر ہم نے نہایت سرسری طور پر بیان کیا ہے مگر ہم کو امید ہے کہ ان نیم وحشی لیکن عالی دماغ اور آزاد منش باشندگان عرب کے خانگی اور سوشیل عام حالات معلوم ہونے سے ایک منصف مزاج شخص اگر ایسا شخص دنیا میں پایا جاتا ہے اس بات کا فیصلہ کر سکے گا کہ اسلام کے قبل عربوں کا کیا حال تھا۔ اور بعد اسلام کے ان کا کیا حال ہو گیا۔ اور بالعموم ان کے اخلاق کس طرح پر تبدیل ہو گئے۔ ان کی اگلی اور پچھلی حالت کے مقابلہ کرنے میں ہمارا یہ سرسری بیان اس منصف مزاج شخص کو کافی مدد دے گا۔ اور ایسے نتائج مستنبط کرنے کے قابل کرے گا جن کی جانب اس کی انصاف پسندی اسکو ہدایت کرے گی۔

فی الادیان المختلفۃ

اس خطبہ میں ہم اس امر کی تحقیقات بھی کریں گے کہ ان ادیان میں سے جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھے اسلام کون سے دین سے مشابہ تر ہے اور آیا اس مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے اسلام ایک دین حق ثابت ہوتا ہے یا ایک عیارانہ بنایا ہوا قصہ۔

توریت مقدس میں جو بیان انسان کے پیدا ہونے کا اور اس کے بعد بابل میں زبانوں کے مختلف ہو جانے اور روئے زمین پر پراگندہ ہونے کا ذکر ہے اسی کو ہم اپنی بحث کا جو اس خطبہ میں ہے ابتدائی مقام فرض کرتے ہیں اور اسی بنا پر یہ بات کہتے ہیں کہ اگرچہ عبادت اور پرستش کی سادگی اور یک رنگی خود بخود اس وقت تک جاری رہی ہوگی جب کہ انسان تعداد میں کم اور ایک محدود مقام میں تھے مگر جب

وہ زیادہ دیر ملکوں میں پھیل گئے جن کی آب وہوا اور ملک کی بناوٹ
مختلف تھی تو اس وقت ان کے دلوں کو نئے اور عجیب خیالات میں
تقریباً ہر ایک بات کی نسبت خواہ یا خصوصاً اس وجود کی ماہیت کی
نسبت جس کی عظمت کے جلوے نیک یا بد خوف وہراس سے ان کو
تسلیم کرنے پڑے۔

وہ لوگ ان قدرتی ظہور کے طبی اسباب سے جن کے دیکھنے سے
ایک تربیت یافتہ آدمی کے دل میں بھی خوف وہراس پیدا ہوتا ہے
جیسے کہ بھونچالوں کا آنا زمین کا دھنس جانا اور پھٹ جانا، دریاؤں
کا جوش، سمندروں کا طلاطم، پہاڑوں کے عجائبات، درختوں کی کرامات
بادلوں کی گڑگڑاہٹ، بجلی کی کڑک اور چمک اور اس کے گرنے
سے بربادی، اور خوفناک طوفانوں کی تباہی کے اسباب سے محض
ناواقف تھے۔ اس لئے انہوں نے ان سب کاموں کو کسی ایسے
وجود کے کام تصور کئے ہوں گے، جس کو وہ اپنے آپ سے بدرجہا
اعلیٰ اور زبردست اور بوجہ غیر حاضر ہونے اس وجود کے اور بھی
زیادہ خوفناک تصور کرتے ہوں گے یہی اسباب ہیں جن کے سبب ابتدا
میں انسان کے دل میں عبادت کرنے اور قربانیاں چڑھانے اور پوجا
کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ مگر ان دیوتاؤں کو ان تین طریقوں سے
خوش کرنے یا ان کا غصہ مٹانے میں بوجہ ملک کی خاصیت اور ملک
کی آب وہوا کے اور اس کے باشندوں کے عام مزاج اور چال چلن کے

ہر ایک ملک کے باشندوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہم کو امید ہے کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے اس کتاب کے پڑھنے والے سمجھ جائیں گے کہ عرب میں عموماً مذہبوں کی ابتدا کس طرح پر شروع ہوئی۔

عرب میں جو قومیں قبل اسلام کے موجود تھیں ان کی حالت پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں باعتبار مذہب کے چار مختلف فرقوں میں منقسم تھیں۔ بت پرست۔ خدا پرست۔ لامذہب اور معتقدین مذہب الہامی۔

بُت پرستی

انسان کی جبلت میں جو ہر ایک چیز کے سمجھنے کی طاقت ہے اور جس کو ہم عقل یا سمجھ سے تعبیر کر سکتے ہیں اس کا یہ نتیجہ تھا وہ اپنے وجود کی نہایت ابتدائی منزل میں اولاً بتوں کی پرستش کا اپنے ذہن میں خیال پیدا کرے۔ اسی سبب سے اولاً اس کے ذہن میں بتوں کی پرستش کا خیال پیدا ہوا اور پھر رفتہ رفتہ قائم اور مستحکم ہو گیا۔

ایک مصنف کا قول ہے کہ آدمی از روئے خلقت اور جبلت کے مذہب کو ماننے والا پیدا ہوا ہے اگر وہ معبود حقیقی سے ناواقف ہو گا تو مجازی معبود اپنے لئے بنا لے گا۔ وہ خطروں اور مشکلوں سے گھرا ہوا ہے وہ قدرت کی عظیم الشان طاقتوں کو ہر طرف اپنے اپنے کام میں مشغول دیکھتا ہے جن کے سبب سے اس کو خوف درجا

پیدا ہوتی ہے اور باوصف اس کے ان کے کام اس کے حیز ادراک اور قبضۂ قدرت سے باہر ہیں۔ اس واسطے اس کے دل میں اپنے سے کسی زیادہ طاقتور شئے سے ایک تعلق پیدا کرنے کا جس پر وہ تکیہ اور بھروسہ کرکے خیال پیدا ہوتا ہے۔ قدرت کے ان کاموں کو ذہن نشین کرنے اور ان کے سمجھ میں آنے کے لئے اب اس کے واسطے صرف ایک طریقہ ہے۔ طبعی اسباب کا تصور تو بہت تھوڑے عرصہ سے پیدا ہوا ہے ابتدائی انسان صرف ایک قسم کی علت کا گمان کرسکتا ہے۔ یعنی مثل اپنے ایک با ارادہ طبیعت کا اس لئے وہ تمام چیزوں کو جنہیں متحرک اور عمل کنندہ پاتا ہے۔ ذی روح اور ذی فہم وجود ٹھہرا لیتا ہے اور ان کی طرف مثل انسانوں کے خیالات اور طبائع منسوب کرتا ہے اور اس سے زیادہ کیا قرین قیاس ہوسکتا ہے کہ بذریعہ نذروں اور التجاؤں کے ان کے مہربان کرنے یا ان کی بدمزاجی یا غصے کے دور کرنے کے واسطے کوشش کرے۔

جبکہ انسان ہنوز وحشیانہ حالت میں تھا اس نے قدرت کی بڑی بڑی اشیاء کو اپنی فرحت یا مصیبت کے اسباب کی نظر سے دیکھا اور اسی واسطے ان کو بہ نسبت اپنے زیادہ طاقتور سمجھا۔ اور اس نیت سے کہ اپنی دعائیں اور التجائیں ان سے ایک ظاہری شکل میں کرے۔ اس کو اپنی خیالی چیزوں کے مجسم کرنے کے واسطے جواب اس کے معبود ہوگئے نقاشی یا مصوری گو کیسی ہی ناقص ہو عمل میں

لانی پڑی۔ بت پرستی کی ایک اور بنا کسی قوم کے کسی شخص کی خدمات کی جو اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے مشہور و معروف ہوا ممنونیت کی خواہش تھی۔ یعنی ایسے کارہائے نمایاں جو شاعروں کے وحشیانہ گیتوں اور نظموں میں مشہور ہوئے۔ اور مرنے کے بعد اس شخص کو معبود ہونے کے رتبہ کا صلہ دلایا یہی امر غرب پر بھی صادق آتا ہے۔ آفتاب ماہتاب۔ سیارے اور بروج۔ ملائک اور ارواح۔ جو بقول انکے انسانوں کی زندگانی کے واقعات پر حاوی اور قادر تھے ان سب کو رتبہ الوہیت دے رکھا تھا اور ان کی پرستش کرتے تھے اسی طرح ان آدمیوں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ جنہوں نے اپنے شکر گزار ملک کی خدمتیں بجالاکر نام حاصل کیا تھا۔

اس طریقہ پرستش کے اختیار کرنے میں انسانوں کا منشا محض معلل بہ دنیا تھا۔ ان بتوں یا ان اشیاء اور اشخاص کی پرستش کا باعث جن کے وہ قائم مقام ہیں یہ اعتقاد تھا کہ اپنے پرستش کنندہ کو ہر قسم کی دنیوی خوشی اور آسائش عطا کرنا اور ان مصیبتوں اور خرابیوں کو جو اس پر نازل ہونے والی ہوں رد کردینا ان کے اختیار میں ہے اور ان کی پرستش کو ترک کردینے کی سزا ان کے اعتقاد میں افلاس بیماری لاولدی اور عبرت انگیز موت ہوتی تھی۔

جب کہ زمانہ بڑھتا گیا جبکہ تہذیب اور شائستگی کو ترقی ہوتی گئی جبکہ باہمی راہ و رسم کے ذریعہ زیادہ شائع اور پُرامن ہوتے گئے

جبکہ آدمیوں کو ایک دوسرے سے ملاقی ہونے کا زیادہ اتفاق ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اپنے خیالات اور اپنی رایوں اور اپنے عقائد کا تبادلہ کرنے کے قابل ہوئے اور انکے دماغ عالی ہوتے گئے اور ان کی خوشیاں زیادہ شائستہ اور پاک ہوتی گئیں۔

یہی غیر محسوس خیالات کی ترقی عرب میں بھی واقع ہوئی اور اس ملک کے باشندوں نے اپنے معبودوں کو ہر جسمانی آسائش اور روحانی خوشی کے عطا کرنے کا اُس شخص کی نسبت جس سے وہ راضی ہوں اختیار کلی دے دیا۔

۳ د - ر / ۲

قدیمی باشندگان عرب کی نسبت یعنے قوم عاد۔ ثمود۔ جدیس جاہم الاولے اور عملیق اول وغیرہ کی اس قدر محقق ہے کہ یہ لوگ بت پرست تھے مگر ہمارے پاس کوئی ایسی مقامی روایت عرب کی نہیں ہے جو ہم کو اُن کی پرستش اصنام کے طریقوں کی تعیین اور جو قدرتیں کہ وہ اپنے معبودوں کی طرف منسوب کرتے تھے اُن کی تفریع اور جن اغراض اور ارادوں سے کہ وہ مورتوں کو پوجتے تھے اُن کے بیان کرنے میں مطمئن کرے۔ قریب قریب تمام حال جو ہم کو عرب کے بتوں کی نسبت معلوم ہوتا ہے صرف یقطان اور اسمٰعیل کی اولاد کے بتوں کی نسبت معلوم ہے جو عرب العاربہ اور عرب المستعربہ کے نام سے مشہور ہیں اُن کے بت دو قسم کے تھے۔ ایک قسم کے تو وہ تھے جو ملائک اور ارواح اور غیر محسوس طاقتوں سے جن پر کہ وہ اعتقاد رکھتے تھے اور جنکو مونث

خیال کرتے تھے نسبت رکھتے تھے اور دوسری قسم کے وہ تھے جو نامی اشخاص کی طرف جنہوں نے اپنے عمدہ کاموں کی وجہ سے شہرت حاصل کی تھی منسوب تھے ؛

وہ قدرتی سادگی اور بے تکلفی جو ابتدائی درجہ تمدن میں آدمیوں کی نشانیاں ہیں اُن کی پرستش کے طریقوں میں قابل تمیز نہیں رہی تھیں۔ علاوہ اس کے اُنہوں نے بہت سے خیالات غیر ملکوں کے اور نیز اپنے ہی وطن اصلی کے الہامی مذہبوں سے اخذ کر لئے تھے اور ان سب کو اپنے توہمات سے خلط ملط کر کے اپنے معبودوں کو دیا اور عقبےٰ دونو کے اختیارات دیدئے تھے لیکن اتنا فرق تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دینوی اختیارات بالکل اُن کے معبودوں کے ہاتھ میں ہیں اور عقبےٰ کے اختیارات کی نسبت اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ اُن کے بت یعنے وہ جن کی پرستش کے لئے وہ بت بنائے گئے ہیں اُن کے گناہوں کی معافی کی خدا تعالیٰ سے شفاعت کریں گے اُنکی طرز معاشرت اور اُن کی خانگی سوشیل اور مذہبی اطوار اور رسوم نے بھی اسی طرح سے گرد نواح کے ملکوں سے جنکے باشندے الہامی مذہب رکھتے تھے اثر حاصل کیا تھا۔ غرضکہ قبل ظہور اسلام کے ملکِ عرب میں بت پرستی کی یہ کیفیت تھی ؛

لامذہبی

زمانۂ جاہلیت میں ملک عرب میں ایک فرقہ تھا جو کسی چیز کو نہیں مانتا

تھا۔ نہ تو بت پرستی کو اور نہ کسی الہامی مذہب کو۔ ان کو خدا کے وجود سے انکار تھا اور حشر کے بھی منکر تھے اور چونکہ وہ گناہ کے وجود کے قائل نہ تھے اسی لئے عقبےٰ میں بھی روح کی جزا اور سزا کے قائل نہ تھے وہ اپنے آپ کو جملہ قیود قانونی خواہ رسمی سے مبرا تصور کرتے تھے اور اپنی ہی آزاد مرضی کے موافق کاربند ہوتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کا وجود اس دنیا میں ایک درخت یا جانور کی مانند ہے وہ پیدا ہوتا ہے اور پختگی پر پہنچ کر تنزل پکڑتا ہے اور مرجاتا ہے جس طرح کہ کوئی ادنیٰ جانور مرجاتا ہے اور جانوروں ہی کی مانند بالکل نیست و نابود ہوجاتا ہے۔

خدا پرستی

زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں بھی خدا پرست عرب تھے اور وہ دو قسم کے تھے ایک تو ایک غیر معلوم اور پوشیدہ قدرت کو جس کو وہ اپنے وجود خالق قرار دیتے تھے مانتے تھے لیکن باقی امور میں ان کا عقیدہ لامذہبوں کے عقیدے کی مانند تھا۔ دوسری قسم کے فرقے کے لوگ خدا کو برحق مانتے تھے اور قیامت اور نجات اور حشر اور بقائے روح اور اس کی جزا و سزا کے جو حسب اعمال انسانوں کو ملے گی قائل تھے مگر انبیاء اور وحی پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔

اس اخیر فرقہ کا عقیدہ تھا کہ غیر فانی روح کی جزا اور سزا دوسرے

جہان میں محض آدمیوں کے نیک اور بد اعمال پر جو اس دنیا میں کئے ہوں منحصر ہے اس لئے ضرور ہوا کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے ان کو دائمی خوشی حاصل ہو اور ان کو ابدی تکلیف اور خرابی سے محفوظ رکھے لیکن خود ان کے پاس کوئی ایسا اصول جس پر وہ کاربند ہوں موجود تھا اس لئے انہوں نے ان قواعد کی طرف توجہ کی جن کو ان کے گرد و نواح کی قومیں مانتی تھیں۔ اور اپنی سمجھ کے موافق ہر قوم سے کچھ کچھ باتیں اخذ کر کے اختیار کیں۔ یہی اسباب تھے جن کے سبب سے عرب کے کچھ لوگ بت پرست ہو گئے اور بعض نے کسی مذہب معینہ کی پابندی نہیں کی بلکہ اپنی ہی عقل اور سمجھ کے موجب کاربند ہوئے۔

الہامی مذہب

اسلام سے پہلے چار الہامی مذہب عرب میں وقتاً فوقتاً جاری ہوئے۔ (۱) مذہب صابی (۲) مذہب ابراہیمی اور دیگر انبیائے عرب کا (۳) مذہب یہود (۴) مذہب عیسوی۔

مذہب صابی

اس مذہب کو عرب میں قوم سامری نے رواج دیا تھا جو اپنے آپ کو قدیم مذہب کے پیرو سمجھتے تھے وہ حضرت شیث اور حضرت اخنوخ یعنی ادریس کو اپنے نبی کہتے تھے اور اپنے مذہب کو ان کی طرف منسوب

کرتے تھے۔ ان کے ہاں ایک کتاب بھی تھی جس کو صحیفۂ شیث کہتے تھے
ہماری رائے میں کوئی یہودی یا عیسائی یا مسلمان صابیوں کے اس
عقیدے پر جو وہ حضرت ادریس کے ساتھ رکھتے تھے۔ کسی قسم کا اعتراض
نہیں کر سکتا ہے توریت میں حضرت ادریس کو ایک مقدس اور باخدا
شخص لکھا ہے اور وہ آیت یہ ہے" واخنوخ باخدا سلوک نمودہ بعد
ازاں ناپدید شد چہ خدا اورا گرفتہ بود" کتاب پیدائش باب ۵ درس
۲۴۔) وہ شخص جس کو مسلمان ادریس یا الیاس کہتے ہیں اور توریت
کا اخنوخ ایک شخص ہیں۔ صابیوں کے ہاں سات وقت کی نمازیں
تھیں اور وہ ان کو اسی طرح ادا کرتے تھے جس طرح کہ مسلمان نماز
ادا کرتے ہیں۔ مردے کی بھی وہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی طرح
وہ بھی ایک قمری مہینے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ مگر جو برائی کہ آہستہ
آہستہ ان کے مذہب میں پھیل گئی تھی وہ یہ تھی کہ ستاروں کی پرستش
کرنے لگے تھے۔ انہوں نے سات ہیاکل یعنے معبد سبع سیاروں کے
لئے بنائے تھے اور جس ستارے کا جو معبد تھا اسی معبد میں اُس
ستارے کی پرستش کرتے تھے۔ حرّان کے معبد میں سب لوگ بہ نیت
حج جمع ہوا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کی بھی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ ان کا سب
سے بڑا مذہبی تیوہار اس روز ہوا کرتا تھا جبکہ آفتاب برج حمل میں
جو موسم بہار کا اول برج ہے داخل ہوتا تھا اور چھوٹے چھوٹے تیوہار
اس وقت ہوتے تھے جبکہ پانچ سیارے یعنی زحل مشتری، مریخ، زہرہ

عطارد بعض برجوں میں یکے بعد دیگرے داخل ہوا کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان سیاروں کا سعد اور نحس اثر انسان کی قسمتوں پر اور دنیا کے اور امور پر ہوتا ہے۔ وہ یقین کرتے تھے کہ بارش یا معینہ کی کشش انہیں ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے یہ خیال اور اسی قسم کے اور خیالات اور عقائد صابیوں کے سوا عرب کے اور لوگوں میں بھی رائج ہو گئے تھے ان میں اعتکاف کرنے کا بھی رواج تھا اور غاروں یا پہاڑوں میں چند روز مراقبہ اور سکوت میں بسر کرتے تھے۔

ابراہیمی یا دیگر انبیاء عرب کا مذہب

اسلام سے پہلے پانچ انبیاء عرب میں مبعوث ہوئے تھے (۱) ہود (۲) صالح (۳) ابراہیم (۴) اسمٰعیل (۵) شعیب۔ یہ سب نبی حضرت موسیٰ سے اور بنی اسرائیل کو احکام عشرہ کے عطا ہونے سے پیشتر گزرے ہیں۔

اصل اصول ان جمیع انبیاء کے مذاہب کا خدائے واحد کی عبادت تھا۔ اور دیگر احکام و مسائل جن کو انبیائے مذکور نے بتایا تھا باستثناء احکام و مسائل حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے سب فراموش ہو گئے تھے اور کوئی مقامی روایت ایسی موجود نہیں ہے جو ہم کو اس بات سے واقف کرے کہ وہ احکام کیا تھے اور کتنے تھے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے مذہب کے احکام و مسائل کے لئے بھی اسی طرح کوئی ایسی کافی سند نہیں ہے جس سے کہ ہم انکو تفصیل دار

بیان کرسکیں اور ایسے بہت کم مسائل ہیں جنہوں نے باستثنا روایت مذہبی اور روایت مقامی کے الیا تاریخی رتبہ حاصل کیا ہو کہ ہم اس کے حوالہ دینے کے لائق ہوں۔

حضرت ابراہیم کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا سب سے پہلا کام بت پرستی کا ترک کرنا اپنے باپ کے بتوں کا توڑنا اور خدائے برحق پر یقین کرکے صدق دل سے اس کی پرستش کرنا تھا۔

ختنہ اور داڑھی کا رکھنا رسوم مذہبی ہیں جن کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہ رسمیں حضرت ابراہیم نے مروج اور معین کی تھیں۔ خدائے پاک کی پرستش کے واسطے قربان گاہوں کے بنانے کی رسم بھی حضرت ابراہیم نے جاری کی تھی اور منجملہ بے شمار قربان گاہوں کے جو حضرت ابراہیم نے بنائیں ایک قربان گاہ اس مقام پر بھی بنائی تھی جہاں کہ حجر اسود جس اس کے دیوار کعبہ میں اور پتھروں کے ساتھ نصب ہو کھڑا ہوا تھا۔

خدائے تعالیٰ کے نام پر قربانی کرنا بھی حضرت ابراہیم نے مقرر کیا تھا اور یہ رسم آج تک ان کی اولاد میں اور ان کی اولاد کے پیروؤں میں بجنسہٖ مروج ہے۔

خدائے تعالیٰ کی عبادت کے واسطے خانہ کعبہ کی تعمیر کی نسبت عرب کی تمام مقامی روایتیں اور تمام مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے بنایا تھا۔

سینٹ پال حواری نے جو گلیشیا والوں کے نام خط لکھا ہے ہماری رائے میں اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ خانۂ کعبہ کو "جو بیت المقدس کا ہم پایہ ہے" حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے بنایا تھا۔

خانہ کعبہ میں اول خدا کی عبادت اس کے اندر اور باہر کیا کرتے تھے اور اس کے بعد اس کے گرد طواف کیا کرتے تھے۔ اور طواف کے وقت ساری جماعت پکار پکار کر خدا کا نام لیتی تھی اور خانہ کعبہ کو بوسہ دیتی جاتی تھی۔

اس مقام پر خود بخود ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا فرق ہے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے اور اس کو اور حجر اسود کو بوسہ دینے اور قربان گاہوں کے بنانے اور ان کی تعظیم کرنے اور حضرت یعقوب کے پتھر کھڑا کرنے اور اس پر تیل ڈالنے اور نماز میں بیت المقدس یا کعبہ کی طرف سجدہ کرنے۔ غرض کہ اشیائے مجسم کی تعظیم اور حرمت کرنے میں اور بت پرستوں کی ان رسوم میں جو کہ وہ اپنے بتوں کی نسبت عمل میں لاتے ہیں اور جس کی وجہ سے ان کو ہر شخص حقارت اور غصے کی نظر سے دیکھتا تھا اور اب بھی دیکھتا ہے۔

بلاشبہ ان دونوں کاموں میں بڑا فرق ہے مگر تعجب امر کہ لوگوں کو ان دونوں کاموں میں صاف صاف تمیز کرنے سے روکتا ہے وہ لفظ "بت پرستی" ہے جس سے یہ مراد سمجھی جاتی ہے کہ آدمی کسی مجسم اور مصنوعی شے کی تعظیم اور پرستش کرنے میں گنہ گار رہتے ہیں۔

مگر یہ غلطی ہے۔ بت پرستوں کے مشرک اور گنہ گار ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ مجسم اور مصنوعی اشیا کی تعظیم اور پرستش کرتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چند روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیا کو ان سب قدرتوں کا مالک سمجھتے ہیں جو درحقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سے علاقہ رکھتے ہیں اور ان اشیاء وغیرہ کی اس طرح بندگی بجالاتے ہیں جو صرف خدا تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے ان کے بت ان وجودوں کے جو عزیز خدا ہیں، قائم مقام اور یادگار ہوتے ہیں نہ کہ خدائے تعالیٰ کے۔ اس اعتقاد کی وجہ سے وہ مشرک اور گنہ گار ہو جاتے ہیں خواہ وہ ان روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیاء کے ناموں پر کوئی مورت یا بت قائم کرکے پوجتے ہوں خواہ وہ صرف اپنے دل ہی میں یہ اعتقاد رکھ کر ان کی پرستش کرتے ہوں اور ظاہر میں ان کا کوئی بت نہ بناتے ہوں ان کو بت پرست اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اکثر ان روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیاء کی جن کو وہ صفاتِ الٰہی کا مخزن اور معدن سمجھتے تھے اپنے خیال کے موافق بت اور مورتیں بنا کر ان کے توسل سے ان کو پوجتے تھے اگر وہ ان ظاہری وسائل پرستش کو اختیار نہ کرتے لیکن باطن میں ہی اعتقاد رکھتے تب بھی ان کو بت پرست کہنا ناموزوں نہ ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی قربان گاہیں جن میں

کہ حجر اسود بھی شامل ہے اور حضرت یعقوبؑ کا کھڑا کیا ہوا پتھر اور خانہ کعبہ اور بیت المقدس یہ سب چیزیں کسی مشہور و معروف اشخاص کی یادگار کے طور پر نہیں بنائی گئی تھیں اور نہ وہ کسی فرشتہ یا عظیم الشان قدرتی شے کے نام پر قائم کی گئی تھیں بلکہ بالتخصیص قادرِ مطلق کے نام پر جو تمام چیزوں کا خالق ہے اور اسی کی پرستش کی غرض سے بنائی گئی تھیں جملہ رسوم اور تکلفات جو ان مقاموں پر برتے جاتے تھے صرف خدائے تعالیٰ کی عبادت اور پرستش کے مختلف طریقے تھے اور خدائے تعالیٰ کی بندگی کو کسی طور پر بجا لائی جاوے جس کو خدا تعالیٰ نے منظور اور مقبول کرلیا ہو ہرگز گناہ یا شرک یا بت پرستی نہیں ہو سکتی۔

تمام آدمیوں کا میدان عرفات میں جمع ہونا جہاں کہ نہ حضرت ابراہیم کا حجر اسود ہے نہ حضرت یعقوب کا سنگ قربان گاہ اور نہ حضرت اسمٰعیل کا معبد بلکہ محض ایک وسیع میدان ہے۔ ان لوگوں کا ایک ساتھ شامل ہو کر خدا کا نام لے کر پکارنا اور اپنے گناہوں کی معافی چاہنا خاص خدا کی عبادت ہے جس کا نام مسلمانوں نے حج رکھا ہے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اس طرح پر عبادت کرنے کے بانی ہوئے تھے پس کون شبہ کر سکتا ہے کہ حج اس واجب الوجود لاشریک لہٗ کی خاص الخاص عبادت ہے۔

افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا تھا۔ مگر بایں ہمہ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص

ایسے بھی تھے جو ان مذاہب الہامی میں سے کسی نہ کسی مذہب کے متبع تھے اور خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے انہیں لوگوں میں سے متعدد نے مجدد مذہب ہونے کا دعوے کیا اور اللہ تعالیٰ کے معبود حقیقی ہونے کا مجمع عام میں وعظ کہا اور لوگوں کو بت پرستی چھوڑنے پر ترغیب دی۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی نسبت مجدد ہونے کی شہرت دی تھی ان کے نام یہ ہیں۔ حنظلہ۔ ابن صفوان۔ خالد ابن سنان۔ اسد ابو کرب۔ قیس ابن صیداہ وغیرہ اور بعضوں نے عبدالمطلب کو بھی ایک مجدد مذہب قرار دیا ہے۔

لیکن یہ کیسا ہی حیرت انگیز امر کیوں نہ معلوم ہو کہ اس شخص کی اولاد جس نے اپنے باپ کے بتوں کو توڑا اور ان کی پرستش سے منہ موڑا اور خدائے برحق کی پرستش کے لئے متوجہ ہوا اور کہا "انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین"۔ رفتہ رفتہ اس بت پرستی کی حالت میں ڈوب جائے۔ مگر اس سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت آمیز یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسی کی اولاد میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے پھر اپنے مورثوں کے بتوں کو بلکہ تمام عرب کے بتوں کو غارت کر دیا اور جس نے خدائے اعظم اور علام الغیوب کی عبادت کو جو تمام چیزوں کا مبدا اور مرجع ہے رواج دیا اور اعلیٰ ترین درجے پر پہنچا دیا۔ اور جس نے کہ جہالت اور کفر کی اس گہری تاریکی کو جس

میں کہ اس کے ہم وطن مبتلا تھے دین حق کے پاک اور شفاف نور سے منور کر دیا۔

یہودی مذہب

یہودی مذہب کو شام کے یہودیوں نے عرب کے ملک میں شائع کیا تھا جو اس ملک میں جا کر آباد ہوئے تھے۔ بعض مصنف نادان جرأت کر کے یہ رائے دیتے ہیں کہ ایک قوم بنی اسرائیل کی اپنے حصے سے علیحدہ ہو کر ملک عرب میں جا بسی تھی اور وہاں اکثر قوموں کو اپنا مذہب تلقین کیا۔ مگر یہ رائے صحت سے بالکل معرّا ہے اصل یہ ہے کہ یہودی مذہب عرب ان یہودیوں کے ساتھ آیا تھا جو نیسویں صدی دینوی میں یا پانچویں صدی قبل حضرت مسیح کے بخت نظر کے ظلم سے جو ان کے ملک اور قوم کی تخریب کے درپے ہوا تھا بھاگ گئے تھے اور شمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے۔ تھوڑے عرصے بعد جب کہ ان کی مضطرب حالت نے کسی قدر سکون اور قرار پکڑا انہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیا اور قبیلہ کنانہ اور حارث ابن کعب اور کندہ کے بعض لوگوں کو اپنے مذہب میں لائے جب کہ سنہ ۳۶۵ دینوی میں سنہ ۳۵۴ قبل حضرت مسیح کے یمن کے بادشاہ ذونواس حمیری نے مذہب یہود اختیار کیا تب اس نے اور لوگوں کو بھی بالجبر اس مذہب میں داخل کر کے اس کو بہت ترقی دی۔ اس

زمانے میں یہودیوں کو عرب میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور اکثر شہر اور قلعے ان کے قبضے میں تھے۔

اس بات کا یقین کرنے کا قوی قرینہ یہ ہے کہ یہودی بت پرستی کو غصہ اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ مگر عرب کی کوئی مقامی روایت اس مضمون کی نہیں پائی جاتی کہ خانہ کعبہ کی نسبت ان یہودیوں کی رائے عربوں کی رائے سے برخلاف تھی مگر یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ ایک تصویر یا مورت حضرت ابراہیم کی جن کے پاس ایک مینڈھا قربانی کے واسطے موجود کھڑا تھا۔ یہودیوں کے ذریعے سے خانہ کعبہ میں اس بیان کے مطابق جو توریت میں ہے کھینچی گئی ہوگی یا رکھی گئی ہوگی کیونکہ یہودی اس قسم کی تصویروں یا مورتوں کے بنانے اور رکھنے کو گناہ نہیں سمجھتے تھے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہودیوں کے ذریعہ سے ملک عرب میں خدائے تعالےٰ کی معرفت کا علم جیسے کہ قبائل عرب میں بالعموم بیشتر تھا اس سے بھی دوچند ہوگیا۔ وہ عرب جنہوں نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا اور وہ لوگ بھی جو ان سے راہ و رسم رکھتے تھے اس سے فائدہ مند ہوئے تھے۔ کیونکہ یہودیوں کے پاس ایک عمدہ قانون شریعت اور سوشیل اور پولٹیکل کا موجود تھا۔ اور اس زمانے کے عرب اس قسم کی چیز سے بالکل بے بہرہ تھا۔ اس سے ایک معقول طور پر استنباط ہوتا ہے کہ بہت سے خانگی اور سوشیل آئین

اور رسوم کو جو اس قانون میں مذکور ہیں، عربوں نے اختیار کر لیا ہوگا۔ خصوصاً یمن کے رہنے والوں نے جہاں کہ ان کے بادشاہ دونوں اس نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا اور اس نے یہودی مذہب کی ترویج میں کوشش کی ہوگی۔

ہم کو اس مقام پر مذہب یہود کے مسائل اور عقائد اور ان کی رسموں اور طریقوں پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ یہ سب باتیں توریت میں موجود ہیں اور ہر شخص ان سے کسی نہ کسی قدر واقف ہے اور وہ امور جن کا بیان کرنا ہم کو بالتخصیص مدنظر ہے اس مقام پر بیان ہوں گے جہاں کہ ہم مذہب یہود اور اسلام کے تعلق باہمی پر بحث کریں گے۔

عیسوی مذہب

یہ بات محقق ہے کہ عیسوی مذہب نے تیسری صدی عیسوی میں ملک عرب میں دخل پایا تھا جب کہ ان خرابیوں اور بدعتوں کی وجہ سے جو آہستہ آہستہ مشرقی کلیسا میں شائع ہو گئی تھیں قدیم عیسائیوں کی تباہی ہوئی تھی اور وہ لوگ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے۔ تاکہ اور کسی جگہ جا کر پناہ لیں۔ اکثر مشرقی اور نیز یورپین مورخ جنہوں نے اس مضمون کو مشرقی مصنفوں سے اخذ کیا ہے اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ وہ زمانہ ذوانواس

کی سلطنت کا زمانہ تھا مگر ہم اس رائے سے کسی طرح اتفاق نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے حساب کے موافق جس کا بیان ہم نے خطبہ اول میں کیا ہے۔ ذولنواس کا زمانہ تقریباً چھ سو برس پیشتر اس واقعہ کے گزر چکا تھا اور اسی وجہ سے ہم ان مصنفوں کی اس رائے کو بھی تسلیم نہیں کرتے، جن کا بیان ہے کہ ذولنواس نے عیسائیوں کی تخریب کی تھی۔

اول مقام جہاں کہ یہ بھاگے ہوئے عیسائی آباد ہوئے تھے۔ نجران تھا اور اس سے پایا جاتا ہے کہ وہاں کے معتدبہ لوگوں نے ملیوی مذہب قبول کر لیا تھا۔ یہ عیسائی فرقہ جیکوبائٹ یعنی یعقوبی فرقہ تھا اور اس لقب سے مشرقی فرقہ "مانوفیزیٹیز" کا موسوم کیا جاتا تھا۔ اگرچہ صحیح طور پر یہ لقب شام اور ایران اور بابل کے فرقے مانوفیزیٹیز پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ جیکوبائٹ کا لقب ایک شام کے راہب کے سبب سے جس کا نام جیکولس براڈلیس تھا۔ اس فرقہ کا پڑ گیا تھا اور جس نے کہ یونان کے بادشاہ جسٹینین کے عہد میں اپنے ملک سے نکلے ہوئے مانوفیزیٹیز کا ایک علیحدہ فرقہ قائم کر لیا تھا۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ صرف ایک صفت رکھتے ہیں۔ یعنی الوہیت صفت میں ان میں تقدیس کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

عیسائی مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ ملیوی مذہب نے اہل عرب

میں بہت ترقی حاصل کی تھی۔ مگر ہم اس باب میں ان سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باستثنائے صوبہ نجران کے جس کے اکثر باشندوں نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ قبائل حمیر غسان۔ ربیعہ۔ تغلب۔ بجرد۔ تونخ۔ طے۔ قودیہ۔ اور حیرہ میں معدود اشخاص نے ان کی تقلید کی تھی اور کوئی جماعت کثیر یا قوم کی قوم عیسوی مذہب میں نہیں آئی تھی۔ جس طرح کہ یہودی مذہب میں آ گئی تھی۔ اغلب ہے کہ ان متفرق اعراب متفرہ کی وساطت سے حضرت مریم کی تصویر خواہ مورت حضرت عیسیٰ کو گود میں لئے ہوئے خانہ کعبہ کی اندرونی دیواروں پر کھینچی گئی ہو یا اس کے اندر رکھی گئی ہو۔

خانہ کعبہ میں معتدد قوموں کے معبودوں کی یا بزرگوں کی مورتیں یا تصویریں رکھی ہوئی تھیں اور جس فرقے سے وہ تصویر یا مورت علاقہ رکھتی تھی وہی فرقہ اس کی پرستش کرتا تھا جب عرب کے لوگوں نے یہودی اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا تو اسی مذہب کے لوگوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت مریم کی تصویر یا مورت خانہ کعبہ میں رکھی یا کھینچی ہو گی کیوں کہ جس طرح عرب کے اور فرقوں کو اپنے معبودوں یا بزرگوں کی مورتیں رکھنے یا کھینچنے کا کعبہ میں حق تھا اسی طرح ان عربوں کو بھی حق تھا۔ جو یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے۔ اور کسی کو اس کی مخالفت کا

حق نہ تھا۔

اسلام سے پیشتر ملک عرب کی یہ مذہبی حالت تھی اور ایسے مختلف مذہب جو زمانہ واحد میں مروج ہو گئے تھے اس کا ضروری نتیجہ یہ ہوا ہو گا کہ ان مذہبوں کے احکام اور مسائل اور رسوم باہم خلط ملط اور اہل عرب میں بالعموم مروج ہو گئے ہوں گے۔ کیونکہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ان نیم وحشی اور جاہل لوگوں کو اس قدر شعور ہو کہ اتنے مذاہب مختلفہ کے باہمی تفرقوں کو جانچ سکتے ہوں اور ایک کو دوسرے سے علیحدہ کر کے دقیق تفاوت کی تمیز کرتے ہوں۔

ان مذاہب کے بھاری بوجھ کے نیچے ملک عرب ایک مذبوحی حرکت کر رہا تھا کہ دفعتہً اسلام نمودار ہوا اور اس کو حیرت آمیز سرعت میں ڈال کر اس کا غیر متحمل بوجھ دور کر دیا اور دفعتاً جزیرہ عرب کے چاروں کونوں کو صدق کے نور سے بھرپور کر دیا۔ اس لئے اگر یہ کہنا جائز ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام عرب کے حق میں رحمت ایزدی سے کچھ زیادہ تھا اسلام از روئے اصول کے بت پرستی کے بالکل متناقض تھا کیونکہ وہ حقائق قدرتی اور ابدی کی تعلیم و تلقین کر کے انسان کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانا چاہتا تھا اور بت پرستی انسان کو جہالت کی حالت میں رکھ کر از روئے تمدن اور اخلاق کے دونوں حیثیت سے غلام بنانا چاہتی تھی۔ اسلام لامذہبی سے بھی کچھ موافقت

نہ رکھتا تھا کیونکہ اس کا ابتدائی اور خاص اصول یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی وحدانیت پر اس کے وجود پر بے چون وچرا اعتقاد رکھنا چاہیے جس کے وجود سے لامذہبوں کو انکار تھا۔ مذہب اسلام میں اور عرب کے خدا پرستوں کے مذہب کے دونوں فرقوں میں سے دوسرے فرقے سے کوئی سخت مخالفت نہ تھی کیونکہ اگر اس فرقے کے عقائد میں وحی کے عقیدے کو اضافہ کیا جاوے تو مذہب اسلام کے اصلی اصول کے بہت قریب قریب ہوتا ہے۔ مذہب صابی کے عقائد الہام سے اسلام بالکل مماثل تھا۔ لیکن اس مذہب میں اجرام فلکی کی پرستش کو رد کرتا تھا اور سیاروں کے نام پر مورتیں بنانے اور معابد قائم کرنے کو بھی جو ایک قسم کی بت پرستی ہے اور جس میں قوم صابی بوجہ استاد زمانہ کے آہستہ آہستہ آپڑی تھی ناروا ٹھہراتا تھا۔

ابراہیمی مذہب اور عرب کے اور نبیوں کے مذہب اور یہودی مذہب کے اصول اور احکام اور عقائد اسلام کے اصول اور احکام اور عقائد کے کچھ بھی متناقض نہ تھے بلکہ درحقیقت اسلام کے اصول اور احکام ابراہیمی مذہب اور دیگر انبیائے عرب کے مذہب اور یہود کے مذہب کے اصول اور احکام کو مکمل کرتے تھے۔ اسلام میں اور یہودی مذہب میں صرف فرق یہ تھا کہ اسلام حضرت عیسیٰ کو تسلیم کرتا تھا۔ مگر یہودیوں اور عیسائیوں کی بعض غلط تفاسیر کو جو وہ توریت اور انجیل کی آیتوں کی کرتے تھے نہیں مانتا تھا۔ اصول اسلام ان عمدہ

اصول سے جن کی درحقیقت حضرت عیسیٰ نے تلقین کی تھی مطابقت تامہ رکھتا تھا۔ لیکن زمانۂ اسلام میں جو عیسائی تھے ان کے اصول اور عقائد اور مسائل اور رسوم مذہبی اور ان برتاؤ سے بالکل مخالف تھا اور بجز چند متفرق اور معدود مسائل اخلاق کے کسی اور چیز میں ان دونوں مذہبوں میں مشابہت نہ تھی۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کیا ہے؟ ہم جواب دیتے ہیں کہ مذہب اسلام صابی مذہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل، اور ابراہیمی مذہب اور عرب کے دیگر الہامی مذہبوں کے اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور ترتیب اور یہودی مذہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی قرار واقعی تکمیل اور اللہ جل شانہٗ کی وحدانیت کی ایسے اعلیٰ درجے پر توضیح جو کسی اور مذہب میں اس تکمیل سے نہیں تھی۔ اور جس کو ہم وحدت فی الذات اور وحدت فی الصفات اور وحدت فی العبادۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور اخلاق کے ان اصولوں کی جن کی حضرت عیسیٰ نے دراصل تلقین کی تھی تکمیل ہے اور ان تمام مذاہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور اجتماع کا نام اسلام ہے۔ ہم اپنے اس جواب کو بعض مثالوں کے حوالے سے مشرح کرتے ہیں۔

مذہب اسلام میں دوسرے معبود کی پرستش کا امتناع اور بت پرستی

کا استیصال یہودیوں کے مذہب کے اصول کے بالکل مماثل ہے
توریت میں لکھا ہے کہ "در حضور من تو اخدایان غیر نباشند۔" سفر خروج
باب ۲۰ درس ۳ "ہر چہ شما را امور داشتم رعایت نمایید دام خدایان
غیر را ذکر نہ نمودہ از دہانت شنیدہ نشود۔" (سفر خروج باب ۲۳
درس ۱۳) "بجہت خود صورت تراشیدہ ہیچ شکل از چیزہائے
کہ در آسمان است در بالا یا در زمین است در پائین و یا در آب
ہائے کہ در زیر زمین است مساز۔ آنہا را سجدہ نہ نمودہ ایشان
را عبادت من مازیرا کہ من خداوند خدائے تو ام (سفر خروج باب ۲۰
درس ۴ و ۵) "بہ بتہا توجہ منمائید و خدایان ریختہ شدہ از برائے خود
مسازید خداوند خدائے شما منم۔" (سفر لویان باب ۱۹ درس ۴) "از برائے
خودتان بتان و اصنام تراشیدہ شدہ مسازید و نصب شدہا از برائے
خودتان برپا منمایید و در زمین خودتان تصویر ہائے سنگ جہت سجدہ
نمودنش مگذارید زیرا کہ خداوند خدائے شما منم۔" (سفر لویان باب ۲۶
درس ۱) "خدایان ایشان را سجدہ نہ نمودہ بآنہا عبادت مکن و
موافق اعمال ایشان عمل منما۔ بلکہ ایشان را بالکل منہدم ساختہ
دست ہائے ایشان بالتمام بشکن۔" (سفر خروج باب ۲۳ درس ۲۴)

سب سے بہتر اور اعلیٰ احکام یہودی مذہب میں یہ ہیں جو
ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔ اسلام میں یہی احکام بجنسہٖ موجود ہیں: "پدر و
مادر خود را احترام نما قتل مکن زنا منما دزدی مکن بہ ہمسایہ است

شہادت دروغ مدہ بخانہ ہمسایہ ات طمع مورز۔" (سفر خروج باب ۲۰ درس ۱۲ و ۱۷)

اوقات نماز جو اسلام نے مقرر کئے ہیں اور جن کی تعداد سات[1] یا پانچ یا تین ہیں۔ مذہب صابئی اور مذہب یہود کی اوقات نماز سے بہت مشابہ ہیں۔

اسلام میں نماز پڑھنے کا جو طریقہ ہے وہ صابئی مذہب اور یہود کے مذہب کے طریقے سے نہایت مماثل ہے۔ نمازوں کی صفائی کے لئے تھی اور یہی اصلی منشاء نماز کے مقرر کرنے کا تھا اور جسم اور پوشاک وغیرہ کی صفائی جس کے واسطے شرع اسلام میں حکم ہے صابیوں اور یہود دیونکی اس قسم کی رسومات سے بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں۔ توریت میں خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا کہ "نزد قوم روانہ شدہ ایشاں را امروز و فردا تقدیس نما تا کہ جامہ ہائے خود را شست و شو نمایند" (سفر خروج باب ۱۹ درس ۱۰) "پس موسےٰ ہارون و پسرانش را نزدیک آوردہ ایشاں را بہ آب شست و شو داد" (سفر لویان باب ۸ درس ۶)"۔

---

[1] یعنی فجر۔ ضحیٰ۔ یعنے چاشت۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشا۔ تہجد دوسری اور ساتویں نماز مسلمانوں میں فرض نہیں ہے اور باقی پانچ نمازیں فرض ہیں دوسری اور تیسری کو اور چوتھی اور پانچویں کو ایک وقت میں پڑھ لینے کا اختیار ہے اس صورت میں پانچ نمازیں اور تین وقت رہ گئے۔

مذہبی امور میں صرف ایک یہی بات اسلام میں نئی ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ یعنے نماز کے بُلانے کیلئے یہودیوں کی قرنا بجانے اور عیسائیوں کے گھنٹے بجانے کے بدلے اذان مقرر کی گئی ہے اس نرالے پن کی نسبت ایک عیسائی مصنف اس طرح پر لکھتا ہے کہ "مختلف اوقات نماز کی اطلاع مؤذن مسجدوں کی میناروں یا مادنوں پر کھڑے ہو کر اذان دینے سے کرتے ہیں۔ اُن کا لحن جو ایک بہت سادہ مگر سنجیدہ لہجہ میں بلند ہوتا ہے شہروں کی دوپہر کی دوندپکار میں مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آواز معلوم ہوتا ہے لیکن سنسان رات میں اُس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ اکثر فرنگیوں کی زبان سے بھی پیغمبر صاحب کی تعریف نکل گئی ہے کہ یہودیوں کے معبد کے قرنا اور کلیسائے نصاریٰ کے گھنٹوں کی آواز کے مقابلے میں انسانی آواز کو پسند کیا ؛

تمام قربانیاں جو مذہب اسلام میں جائز ہیں مذہب یہود کی قربانیوں کے مشابہ ہیں گویا یہ قربانیاں شارع اسلام نے مذہب یہود کی بے شمار قربانیوں سے منتخب کر لی ہیں اور جو تاکیدی حکم مذہب یہود میں اُن قربانیوں کے کرنے کی نسبت تھا اس کو نہایت خفیف بلکہ اختیاری کر دیا ہے ؛

مذہب اسلام میں جو روزے مقرر ہیں وہ بھی مذہب یہود کے اور مذہب صابی کے روزوں سے مشابہ ہیں بلکہ صابی مذہب کے روزوں سے بہ نسبت یہودی مذہب کے روزوں کے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں ؛

ہفتے کے ایک معینہ دن میں نماز اور دیگر رسوم مذہبی کے مقررہ وقت پر لوگوں کو کارہائے دنیوی سے منع کرنا یہودیوں کی اسی قسم کی رسم سے مطابقت رکھتا ہے لیکن حضرت ابراہیم کے زمانے سے اہل عرب جمعہ کو متبرک دن سمجھتے آئے ہیں۔

ختنہ بھی وہی ہے جس کا یہود اور پیروان حضرت ابراہیم کے ہاں دستور تھا۔ نکاح اور طلاق کا بھی قریب قریب ویسا ہی قاعدہ ہے جیسا کہ اور مذاہب الہامی میں تھا۔ توریت میں لکھا ہے کہ "اگر کسے زنے را گرفتہ بہ نکاح خود در آورد و واقع شود کہ بہ سبب چیزے کہ دریافت شدہ در نظرش التفات نہ یابد انگاہ طلاق نامہ نوشتہ بہ دستش بدہد و او را از خانہ اش رخصت دہد" (سفر توریہ مثنیٰ باب ۲۴ درس ۱)

بعض عورتوں سے نکاح کرنے کے جواز یا عدم جواز میں جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ اکثر باتوں میں یہودیوں کے مذہب کے احکام سے مشابہ ہیں۔

جیب مرد اور عورت کو مسجد میں جانے یا قرآن مجید کے چھونے کا امتناع انہیں دستوروں سے مشابہت رکھتا ہے جو مذہب یہود میں جاری ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ مذہب اسلام میں بہ نسبت مذہب یہود کے یہ امتناع کم سختی سے ہے۔

سوئر کے گوشت کے کھانے کی ممانعت مذہب اسلام

میں ویسی ہی ہے جیسے کہ بنی اسرائیل کے مذہب میں تھی توریت میں لکھا ہے" دخوک باوجودے کہ ذی سم چاک و تمام شگاف است امانوش خوار نے کند آں برائے شما ناپاک است" وسفر لویاں باب ۱۱ درس ۷)

جانوروں کے حلال یا حرام ہونے اور مرے ہوئے جانور کا گوشت کھانے کی نسبت جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ موسوی شریعت کے نہایت ہی مشابہ ہیں بلکہ علمائے اسلام نے وہ تمام مسائل موسوی شریعت سے مستنبط کئے ہیں۔

شراب خواری اور دیگر مسکرات کا امتناع بھی موسوی شریعت کے مشابہ ہے۔ توریت میں ہے کہ۔

"ہنگام درآمدن شما بہ خیمہ شراب ومسکرات را نخورید"
(سفر لویاں باب ۱۰ درس ۹)

مگر مذہب اسلام نے اس خرابی کی جو شراب سے ہوتی ہے پوری بندش کردی ہے۔ یعنے شراب کو بالکل حرام کردیا ہے اور کسی وقت پینے کی اجازت نہیں ہے

مذہب اسلام میں مختلف جرائم اور تقصیرات کی نسبت جو سزائیں مقرر ہیں وہ بھی ان سزاؤں سے جو موسوی شریعت میں ہیں نہایت درجہ مشابہت رکھتی ہیں۔ زنا کی سزا سو کوڑے مارنا مذہب اسلام میں ہے یہ سزا یہودیوں

کے قانون سے مختلف ہے۔ لیکن جو علمائے اسلام یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب اسلام میں بھی زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ تو یہ سزا یہودیوں کے مذہب سے بالکل مماثلت رکھتی ہے۔

مسلمان فقہا نے ارتداد کی سزا یہی ہو وہ بھی موسوی شریعت سے بالکل مماثل ہے۔ توریت میں لکھا ہے۔

"وہر کسے کہ اسم خداوندرا کفر بگوید البتہ باید گشتہ شود تمامی جماعت باید اورا بے تامل سنگسار نمایند خواہ غریب د خواہ متوطن چونکہ اسم خداوندرا کفر گفتہ است کشتہ شود"

(سفر لویان باب ۲۴ درس ۱۶)

بعض عیسائی مورخوں نے کہا ہے کہ اسلام میں ملائکہ کا تصور اور اعتقاد یہودیوں کی کتاب تالمد سے اور جنات اور شیاطین کا اعتقاد یہودیوں کی کتاب مدراش اور تالمد دونوں سے اور مرنے کے بعد جسم اور روح کی حالت کا بیان یہودیوں سے اور بہشت اور دوزخ کی کیفیت یہودیوں اور عیسائیوں سے اور قیامت اور روز حشر کے حالات کا یہودیوں کی کتاب مدراش اور تالمد سے اخذ کیا ہے۔ مگر ہماری رائے یہ ہے کہ اول تو وہ حالات جس طرح پر کہ لوگ خیال کرتے ہیں اس طرح پر مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے

دوسرے یہ کہ ان امور میں سے جس قدر کہ مذہب اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں وہ ان ذریعوں سے اخذ نہیں کئے گئے۔ کیوں کہ بجز الحاد نام کے اور جو کچھ کہ اسلام میں بیان کیا گیا ہے وہ کتب مذکورہ بالا کے بیان سے بالکل اختلاف نہ رکھتا ہے۔

اس خطبہ میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ ہم ان امور پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں اور ان امور میں سے جو امور کہ متعلق اسلام ہیں اور جو امور کہ متعلق اسلام نہیں ہیں ان میں تمیز کریں اور امور متعلقہ اسلام کی کامل تشریح کریں۔ اس لئے ہم اس مضمون کو یہ کہہ کر ختم کرتے ہیں کہ اگر بالفرض امور مذکورہ بالا مذہب اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں۔ جیسے کہ بالعموم مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر کا اعتقاد ہے تو وہ امور بھی مذہب اسلام میں اسی قسم کے تصور کئے جائیں گے۔ جیسے کہ مذہب اسلام کے اور احکام یہودی مذہب سے مشابہ ہیں۔

اسلام نے عیسائی مذہب سے بجز مندرجہ ذیل دو عقیدوں کے اور کوئی عقیدہ اخذ نہیں کیا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے

پیارکر (انجیل متی باب ۲۲ درس ۳۷)

دوسرا یہ کہ اور جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تم سے کریں تم بھی ان سے ویسا ہی کرو۔

(انجیل لوک باب ۶ درس ۳۱)

اس مقام پر اگر کسی محقق اور صداقت کے متلاشی مزاج آدمی کے دل میں خیال پیدا ہو کہ اگر یہی حال ہے تو اسلام اصول اور عقائد متفرقہ اور منتشرہ مذاہب سابق کی محض ایک ترتیب اور اجتماع کا نام ہے جو ادھر ادھر سے جمع کر لئے ہیں۔ اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسلام کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو، لیکن ہر ذی فہم شخص پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ مشابہت اور مماثلت اصول اور عقائد مذہب اسلام کی دیگر مذاہب الہامی کے اصول و عقائد سے مذہب اسلام کے پاک اور الہامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے تمام چیزیں جن کا مبدا ایک ہی غیر متناہی اور کامل ذات ہو ضرور ہے کہ ایک ہی قسم کی اور ایک ہی کامل اصول پر ہوں گی۔ جس طرح کہ خدا تعالےٰ سے اپنا مثل پیدا کرنا غیر ممکن ہے، جس طرح کہ اس کی ذات سے کسی پیدا کی ہوئی چیز کو اپنی مرضی اور اپنی حکومت کے احاطے سے خارج کر دینا محال ہے اسیطرح

سے یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک ہی غرض کے انجام دینے کے لئے وہ متناقض اصول اور احکام اس کی ذات سے صادر ہوں۔ مسلمانوں کو بلکہ تمام دنیا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ممنون رہنا چاہیئے۔ جنہوں نے ابتدائے دنیا سے اپنے زمانے تک کے تمام نبیوں کی رسالت کو برحق ٹھہرایا۔ جنہوں نے دنیا کے تمام الہامی مذہبوں کی تکمیل کی۔ اور جنہوں نے اپنے باایمان متبعین کے لئے بے بہا اور لازوال فیوض کے دروازے کھول دیئے۔

تمت بالخیر

راقم رہبر الماسی رام پوری